A Magazine of Urdu Literature and Poetry from London UK

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:86 ماہ فروری 2020ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE SW17 0PW LONDON
(M) 0044-7886-304637, 02089449385
www.qindeel-e-adub.co.uk ranarazzaq52@gmail.com

ऊर्दू अदब का अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन जो लंदन से प्रकाशित होता है

اُردو ادب کا بین الاقوامی میگزین جو لندن سے شائع ہوتا ہے۔

مشاعرہ قندیل شعروسخن فورم (رپورٹ صفحہ 6 پر ملاحظہ فرمائیں)

مشاعرہ- بزم ترویج علم وادب (رپورٹ صفحہ 41 پر ملاحظہ فرمائیں)

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی ماہانہ ادبی نشست ''اشک تمنا'' کی تقریب رونمائی (رپورٹ صفحہ 30 پر ملاحظہ فرمائیں)

Get it Right

- ✔ Member National Landlord Association
- ✔ Member Deposit Portection Schemes
- ✔ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

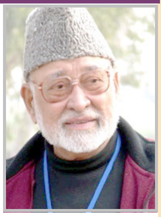

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

آدم چغتائی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا ، عبد القدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے ، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا ۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کردیا جائے گا۔ مراسلہ نگاروں کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر مما لک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کردیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبدالرزاق خاں

گزارش

مضامین نگار احباب سے گزارش ہے کہ قندیل ادب انٹرنیشنل میں شائع ہونے والے مضامین میں حوالہ جات ضرور دیا کریں۔ اس سے مضمون کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح اس میں لگائی جانے والی تصاویر کسی کمپنی یا کسی شخص کی کاپی رائٹ نہیں ہونی چاہئے۔ ادارہ اس قسم کی کوئی تصاویر شائع کرنے کا مجاز نہیں ہے جس کی ادائیگی کیلئے کوئی کمپنی ادارہ سے بعد میں رابطہ کرے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

مشرف کو پھانسی کا فیصلہ احسان فراموشی کی حد	اے آر خاں	4
عبدالکریم قدسی ۔ مبارک احمد ظفر	غزل	5
مشاعرہ قندیل شعر و سخن فورم	رپورٹ ۔ امجد مرزا امجد	6
غزلیات : مبارک صدیقی، طفیل عامر، ثاقب، اقبال طاہر بحرین، مظفر احمد مظفر، اُم عمارہ شیخوپورہ، ایم اے گلشن لودھراں، فہمیدہ مسرت احمد، عاصی صحرائی، ساجد محمود رانا، آسی سلطانی، آصف ثاقب، آغر ندیم سحر، ڈاکٹر آفتاب عرشی، آمنہ عالم، ابن عظیم فاطمی، حاجی ابوالبرکات، احسان شاکر، اختر چیمہ، اخلاد الحسن اخلاد، احمد سجاد بابر، احمد محمود الزمان، ڈاکٹر ارشاد خان، ارشد شاہین، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، ایم اے دوشی، شائق نصیر پوری، فہیم رحمان آذر،		7 تا 11
افسانہ: خرچی	مبشرہ ناز	12
طاہر عدیم محبت کا شاعر	امجد مرزا امجد	13
غزل ۔ شہزادہ مبشر ۔ گلاسگو ساؤتھ (سکاٹ لینڈ)		14
مکمل صورتِ حال	عاصی صحرائی	15
اصل حل کیا ہے مسئلے کا	رجل خوشاب	16
ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف	فہیم اختر لندن	17
غزل۔	صابر ظفر	18
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	19
غزل	ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی	20
جسٹس کھڑک سنگھ کا کھڑاک	ڈاکٹر سید حفیظ الرحمن	21
محبت میں بھی ایک دھوکہ ہے	عاصی صحرائی	22
تعارف	گلشن بخشالوی	24
ڈاکٹر منور احمد کنڈے کا نظریہ حیات	امجد مرزا امجد	25
اظہار خیال سید اکمل حسین لندن	فرخندہ رضوی ریڈنگ	27
فرشتہ بنتے گیا تھا	ابن لطیف	29
والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی ماہانہ ادبی نشست	رپورٹ ۔ امجد مرزا امجد	30
رنگ باتیں کرے	مبشرہ ناز	31
غزل۔	احمد افتخار	32
یاروں یاروں کی لڑائی	رجل خوشاب	32
گاندھی کا ہندوستان جناح کا پاکستان	مُستنصر حسین تارڑ	33
واقعی بیٹیوں کی تربیت ایسی ہی کرنی چاہیے	ثمان جٹ	34
سمیع اللہ ملک ۔ طوائف اور ان کے عاشق ۔	علاج جرم	35
قائداعظم محمد علی جناح کے یوم ولادت پر شفیق مراد	کا پیغام	36
مخبر تاریخ	ادارہ	37
مظلوم غالب	طارق احمد مرزا آسٹریلیا	39
مشاعرہ ۔ بزم ترویج علم و ادب	رپورٹ ۔ عاصی صحرائی	41
عمران خان ہم اور دنیا	منور احمد کنڈے	42

اداریہ

اے آر خان

مشرف کو پھانسی کا فیصلہ احسان فراموشی کی حد ہے

ان حرام خوروں نے اس ملک کو ختم کرنے کی قسم کھالی ہے۔سب چوراُچکے بدکرداراور بددیانت، حرام خور، غدار جودوسرے ملکوں کوملکی راز بیچتے ہیں۔ان سب کو یہ بکاؤ عدالتوں سے ضمانتیں دی جارہی ہیں۔اورفوج کے خلاف قدم قدم پرسازشوں کا جال بچھایا جارہا ہے۔جوفوج دن رات اپنی جانوں کے نذرانے دے کراس ملک کا دفاع کر رہی ہے یہ ایک بہت بڑی سازش ہے جس کی تکمیل کے لئے ان بکاؤ اور کالے کرتوتوں والے وکیلوں اور قاضیوں، غلیظ سیاستدانوں، اور سازشی میڈیا کو استعمال کیا جارہا ہے۔ اور جونام نہاد آئین جس کی سیاسی بہروپیے دن رات دھجیاں بکھیرتے رہتے ہیں۔یہ نعوذ باللہ کوئی خدائی کتاب نہیں بلکہ تمام لیگیوں کے محسن جنرل ضیاالحق کے جاری کردہ وائٹ پیپر کے مطابق 1973 کا آئین بددیانت وبدکردارلوگوں کی طرف سے بنایا گیااوران کے بقول اس کی حیثیت ایک چیتھڑے سے زیادہ نہیں۔اور جوظلم اور ناانصافیاں اس میں ہوچکی ہیں اور متواتر ہوتی چلی جارہی ہیں۔وہ دن دورنہیں جب اس آئین کی صف لپیٹی جائے گی۔انشااللہ۔افواج پاکستان زندہ باد اگر مشرف غدار ہے تو پھر ساری کھوسہ برادری غدار ہے۔

(۱)والیم 10 کھولیں نواز شریف کو پھانسی دیں (۲) میموگیٹ کھولیں زرداری کو پھانسی دیں (3) ڈان لیکس کھولیں مریم صفدر اعوان کو پھانسی دیں (۴))ماڈل ٹاؤن جے آئی ٹی رپورٹ پبلک کریں شہباز شریف کو پھانسی دیں (۵) پی سی او ججز جسٹس ڈوگر کو پھانسی دیں (۶) ایک ڈکٹیٹر سے حلف اُٹھانے والے جسٹس افتخار چوہدری کو پھانسی دیں۔اوراس تمام کابینہ و وزیراعظم کو پھانسی دیں جنھوں نے جنرل پرویز مشرف سے حلف لیا..لائن سے سب کو پھانسیاں دیں... یہ سب غداری کے مرتکب ہوئے ہیں...جن کی شگرملوں سے 40عدد RAW ایجنٹ پکڑے گئے وہ غدارنہیں ہے۔زرداری نے CIA کیساتھ مل کر Army سے غداری کی، ایبٹ آباد میں اُسامہ بن لادن کا ڈرامہ کروایا۔وہ غدارنہیں ہے.جس مریم صفدر نے DawnLeaks کے ذریعے Army کو دہشتگردوں کی سرپرست فوج کہا، وہ بھی عدلیہ کی نظر میں غدارنہیں ہے!اَسفندیار ولی پاکستان اور قائداعظم کو گالیاں دیتا رہا، ملک توڑنیکا کہتا رہا، غدارنہیں ہے، ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کو دولخت کیا، غدارنہیں ہے۔محمود اچکزئی کے پی کو افغانستان کا حصہ کہتا ہے۔وہ غدارنہیں ہے۔پی ٹی ایم والے ملک توڑکر ''آزاد پختونستان'' بنانے کے اعلان کرتے ہیں، وہ بھی ہماری عدلیہ کی نظر میں غدارنہیں ہیں۔جان دے کر ملک کو بچانے والا غدار صرف فوجی ہی ہوتا ہے جناب! یہ جج ہر دور میں بکے ہیں۔جنرل راحیل شریف کے دور میں تقریبا گیارہ آفیسرز کو سزائیں ہوئیں پھرایک برگیڈئیر کو سزائے موت دے دی گئی اب ایک سابق آرمی چیف کو سزائے موت سنادی گئی۔2008 کے بعد کوئی مارشل لا نہیں لگا کوئی فوجی حکومت میں نہیں آیا پھر ملک کے حالات دن بدن کیوں خراب ہورہے ہیں جبکہ لنڈے والوں کے بقول ساری خرابیوں کی جڑ فوج ہے۔فوجیوں کو تو سزائیں ملتی ہیں پھر سیاستدان جج اور بیوروکریٹ اتنی مقدس گائے کیوں بنے ہوئے ہیں یہ جس طرح مرضی ملک تباہ کریں ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ایک ایک شخص پہ سینکڑوں ارب روپے لوٹنے کے کیسز ہیں فیصلہ کیوں نہیں ہوتا وکلاء کی غنڈہ گردی پر قانون کیوں حرکت میں نہیں آتا۔ڈاکٹروں کی بدمعاشی کون روکے گا۔ڈان لیکس جیسے سنگین کیسز پر سزائیں کیوں نہ ہوئیں سنگین غداری ایمرجنسی لگانا نہیں میموگیٹ جیسے سکینڈلز سنگین غداری ہیں ان کے فیصلے کیوں نہیں کرتے حرام خورو، ملک کے خلاف سرعام جلسے کرنے والے پی ٹی ایم رہنماؤں کو سزائیں تمہارے باپ نے دینی ہیں 401 لوگوں کے قاتل عزیر بلوچ کو سزا کیوں نہ مل سکی سنگین مجرموں کو فقط خرابی صحت کے بہانے پرآزاد کردیا جاتا ہے۔فوج مجرم پکڑ کر عدالت میں پیش کرتی ہے تم چھوڑ دیتے ہو اگر عدالت میں پیش نہ کریں تو مسنگ پرسنز کا رونا روتے ہو کتو!۔پارلیمنٹ مزے لوٹنے کے لیے بنتی ہے پبلک انٹرسٹ میں آج تک قانون سازیاں کیوں نہیں کی گئیں۔جب فوج سیلابوں میں آکر مدد کرتی ہے تو انہیں کیوں نہیں روکا جاتا کہ تم بارڈر پر جاؤ جب فوج بچوں کو قطرے پلانے آتی ہے تو کیوں نہیں کہتے ہیں کہ یہ تمہارا کام نہیں اپنے کام سے کام رکھو جب چھوٹو جیسے معمولی مجرم کو پکڑنے کے لیے فوج آتی ہے تو منع کیوں نہیں کرتے جب فوج اپنا اضافی ٹیکس واپس کرتی ہے تو تم شرم سے مرکیوں نہیں جاتے۔جب تم کو تمہاری ہی حفاظت کے لیے کوئی سیکیورٹی والا چیک کرتا ہے تو بے شرم بن کر کہتے ہو کہ ہم ٹیکس دیتے ہیں اوئے بے شرمو ٹیکس تو دہشت گرد بھی دیتے ہیں۔جب تم سے شناختی کارڈ مانگا جاتا ہے تو عجیب بے شرمی سے کہتے ہوں کیا ہم ملک کے شہری نہیں اولعنتیو جن کے ہاتھوں پر ہزاروں لوگوں کا خون ہے وہ بھی تو ملک کے شہری ہی ہیں اور تمہاری غیرت اس وقت کہاں مرجاتی ہے جب یورپ جاکر کپڑے اُتار کر تلاشیاں دے رہے ہوتے ہو۔تمہارا درد میں بتاتا ہوں۔تمہیں فوج سے تکلیف

کیوں ہے۔کیونکہ فوج ان غنڈہ گردیوں کے آگے رکاوٹ ہے جو تم ملک میں پھیلانا چاہتے ہو۔فوج ان غنڈوں کو آنکھیں دکھاتی ہے جن کے ڈالروں پر تم پلتے ہو۔فوج نے دشمن کی ساری انویسٹمنٹ پر اپنا بوٹ پھیر دیا ہے۔دلالوں کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے یہی وجہ ہے کہ دونمبر ملاں لٹیرے سیاستدان عدالتوں میں بیٹھی طوائفیں اورسیکولرلبرلز دن رات فوج پر بھونکتے ہیں۔لعنتیو فوج بیک پر چلی گئی ہے ملک ٹھیک کرو حالات بدل کر دکھاؤ ورنہ اپنی بک بک بندرکھو یہ جو غنڈہ گردی ہے اس کے آگے سینہ تانے وردی ہے۔فوج کے ہم ساتھ ہیں کہ اس گدھ کا شکار کرے جو وطن کی مردہ لاش کا گوشت نوچنے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔اے مردار خور جو، وکیلو، علمائے سُو اپنی بھونڈی حرکات سے باز آجاؤ۔گیارہ سال سے تم سول حکومت چلا رہے ہو۔اور برابر ملک سے غداری کر رہے ہو۔فوج اس ملک کو بچا رہی ہے اور تم قیام پاکستان کے ابدی مخالفوں کی نسلوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر انتشار پھیلانے کی ناکام کوشش کر رہے ہو یہ مملکت خداداد ہمیشہ قائم رہنے کے لئے بنا ہے مخالفین کو نہ پہلے کامیابی ہوئی اور نہ اب ہوگی۔تم سب ناکام نامراد ہوگے۔پاکستان پائندہ باد پاک فوج زندہ باد

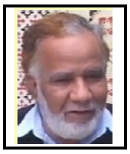

پھانسی دے دو

ہر چوکس کو ہر بے دار کو پھانسی دے دو
چور نہ پکڑو ، چوکیدار کو پھانسی دے دو

دشمن کو للکارتا ہے اور جنگ کرتا ہے
اس جرأت پہ سپہ سالار کو پھانسی دے دو

ملک کو لوٹ کے محل خریدیں دنیا بھر میں
راز جو کھولے اس اخبار کو پھانسی دے دو

کار مسیحا سب ہڑتال کی نذر ہوئے ہیں
ہر بیمار کو ہر لاچار کو پھانسی دے دو

سچ سننے کی زحمت سے بچ جاؤ گے تم
سچائی کے ہر کردار کو پھانسی دے دو

چہروں کے سب خول اتار کے رکھ دے گا یہ
جلدی آئینہ بردار کو پھانسی دے دو

تھکن مسافر کی یہ گود میں لے لیتا ہے
قدسی شجر سایہ دار کو پھانسی دے دو

خاکسار
عبدالکریم قدسی
18دسمبر 2019
USA ,001-540-388-7948

فیصلہ آ گیا عدالت کا
ایک شاہکار ہے جہالت کا

بغض و نفرت کے زہر میں ڈوبا
ہے نمونہ نِری عداوت کا

اہل دل سوگوار ہیں سارے
لو جنازہ اٹھا شرافت کا

جو سراپا وفا کے پیکر ہیں
ان یہ الزام ہے بغاوت کا

کوئی رستہ نظر نہیں آتا
ایک طوفان ہے ضلالت کا

ہر غلط بات کو صحیح کہنا
کیا چلن ہوگیا سیاست کا

چور، قاتل لٹیرے ہیں آزاد
کیا بنے گا اب اس ریاست کا

کوئی راضی ہو یا بُرا مانے
حرف لکھیں گے بس صداقت کا

آج اندازہ ہو گیا ہے ظفر
قاضیء شہر کی حماقت کا

خاک
19/12/2019
مبارک احمد ظفر

مودبانہ گزارش

محترم قارئین السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن سے عرصہ سات سے اُردو ادب کی بے لوث خدمت کر رہا ہے۔بلاتفریق مذہب وملت ہر طبقہ کے افراد کے مضامین اورکلام اورتراشے شائع کئے جاتے ہیں اورقندیل کو بذریعہ ای میل تمام ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔اس وقت تقریباً پانچ لاکھ قارئین اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ایک بڑی تعداد میں اسے پرنٹ بھی کیا جاتا ہے۔

دسمبر ۲۰۱۹ء سے تمام قارئین کا ماہانہ چندہ ختم ہوگیا ہے۔فی کاپی دو پونڈ اور بذریعہ ڈاک اگر ارسال کیا جائے تو تین پونڈ بن جاتے ہیں۔براہ کرم اس کی ادائیگی ضرور کریں۔اس کی تیاری کمپوزنگ، ڈیزائننگ، پرنٹنگ پر کافی اخراجات ہوتے ہیں۔اس لئے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں رقم ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔جزاکم اللہ

HSBC London UK A/C 04726979

Sort Code 400500

رانا عبدالرزاق خان لندن

(M) 0044-7886-304637, 02089449385

مشاعرہ قندیل شعر و سخن فورم

رپورٹ
و فوٹو
رمضان شائق

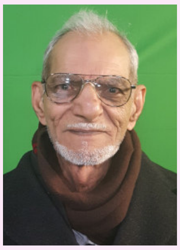

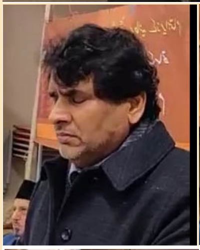

آج مورخہ ۹ جنوری ۲۰۲۰ کی شام امجد مرزا امجد اور رانا عبدالرزاق خان کے بنام تھی۔اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پران کوخراجِ تحسین پیش کرنا تھا۔آج کی محفل کے صدر جناب ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز تھے۔مہمانِ خصوصی امجد مرزا امجد تھے۔نظامت کے فرائض آج محترم مبارک احمد صدیقی نے سرانجام دیئے۔ڈیسائڈ حال خوبصورتی سے شائق نصیر پوری اور نعیم بٹ نے خوب سجادیا تھا۔مکرم وسیم احمد باری نے قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کی۔دُرِ ثمین سے حمدیہ کلام اسحاق عاجز نے اپنے خوبصورت لہجے میں سنایا۔کہ مجلس ایک سریلی فضا میں کھوگئی۔پھر مبارک احمد صدیقی نے امجد مرزا امجد اور رانا عبدالرزاق خان کی ادبی خدمات پر ایک تفصیلی تبصرہ فرمایا۔اور امجد مرزا امجد کی شاعری،تصنیف،ادبی سرگرمیوں پر وسیم باری نے ایک مقالہ پیش کیا۔اس کے بعد محفل کے صدر جناب ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز نے اپنے دست مبارک سے ’’قندیل ادب ایوارڈ‘‘ امجد مرزا امجد کو عنایت فرمایا۔اس پر سارا حال تالیوں سے گونج اُٹھا۔امجد مرزا امجد سے گزارش کی گئی کہ وہ بھی اپنی کاوشوں سے متعلق کچھ بتائیں۔اسی طرح رانا صاحب کے متعلق ایک تفصیلی مقالی اسحاق عاجز صاحب نے پڑھا۔اور ڈاکٹر ایاز صاحب نے ایوارڈ رانا صاحب کو بھی عنایت فرمایا۔رانا صاحب نے بھی اپنی کاوشوں کے متعلق کچھ بتایا۔ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز نے اپنے دست مبارک سے ’’قندیل ادب ایوارڈ‘‘ رانا صاحب کو عنایت کیا۔اس کے بعد مشاعرہ شروع ہوا جس کی نظامت رانا عبدالرزاق خان کے ذمہ تھی۔آج کے شعراء میں نعیم بٹ،شائق نصیر پوری،محمود علی محمود،اسحاق عاجز،مبارک عارف،منان قدیر منان،عاصی صحرائی،ایوب اولیاء،سلطان صابری،امجد مرزا امجد،تھے۔سب شعراء نے بہت ہی منفرد اور اچھوتا کلام پیش کیا۔ڈاکٹر ایاز صاحب کا کلام بھی پیش کیا گیا۔

***

غزلیات

حمد
مبارک صدیقی

چاند سورج اور زمیں میں فاصلے رکھتا ہے کون
کہکشاں میں کہکشاں کے سلسلے رکھتا ہے کون
حُسن والے کس کی شہہ پر ناز کرتے ہیں یہاں
عاشقوں کے بستروں پر رتجگے رکھتا ہے کون
کون کہتا ہے کہ آو کامیابی کی طرف
ہرکسی کے واسطے یوں در کُھلے رکھتا ہے کون
آسماں پر چاند سورج اور زمیں پر تیرا حُسن
آئینے کے روبرو یہ آئینے رکھتا ہے کون
کون ہے جو کاٹتا ہے ظالموں کی شاہ رگ
غمزدوں کی چوکھٹوں پر قہقہے رکھتا ہے کون
باپ سے یہ کون کہتا ہے کہ بن جا سائباں
ماں کے دل میں شیر جیسے حوصلے رکھتا ہے کون
اک نگہہ سے کون کر دیتا ہے ذرّے کو گہر
میرے مُرشد کی دعا میں معجزے رکھتا ہے کون
کون کہتا ہے مبارک آج یہ لِکھ دے غزل
خوبصورت شاعروں سے رابطے رکھتا ہے کون

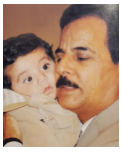

طفیل عامر

جذبات کی حدت سے جو جلنے لگے آنسو
پھر ان کو منانے کو یہ چلنے لگے آنسو
آ جاتا ہے آہوں کو رسائی کا سلیقہ
لگتا ہے مرے پھولنے پھلنے لگے آنسو
اُمید نہ تھی جن کی انہیں سامنے پا کر
حیرت سے یہ کیوں آنکھوں کو ملنے لگے آنسو
ان کا تو کوئی وعدہ کبھی تھا ہی نہیں پھر
افسوس سے کیوں ہاتھ یہ ملنے لگے آنسو
اوڑھا ہے نئے روپ سے شعروں کا لبادہ
یوں درد کے سانچے میں یہ ڈھلنے لگے آنسو
اُترے دل میں وہ جس روز سے عامرؔ
اس دن سے پس پردہ یہ پلنے لگے آنسو

آصف ثاقب

سفر صحرائی طوفاں میں گھرا ہے، لاپتا ہے
بشر اپنی ڈگر سے ہٹ گیا ہے، لاپتہ ہے
طویل اک راستہ جس پر دھوئیں کا سلسلہ ہے
وہاں حد نظر جو فاصلہ ہے، لاپتا ہے
نظر دوڑاؤ تو اک دوڑ ہے جو بے، اماں ہے
وہ اک ٹھہراؤ سے جو واسطہ ہے، لاپتا ہے
ہجوم اک منتشر ریوڑ کی طرح چل رہا ہے
کہ ان میں سمت کا جو سوچتا ہے، لاپتا ہے
وہ جن کی روح جڑ سے مرچکی ہے پھر رہے ہیں
جو خود میں دفن ہو کر جی اُٹھا ہے، لاپتا ہے
دعا اُمراء کی بر آتی ہے مانگنے سے بھی پہلے
زمیں پر جو غریبوں کا خدا ہے، لاپتا ہے
جہل بازار میں سب جھوٹ کے گاہک ہیں ثاقب
جو اس ماحول میں سچ بولتا ہے، لاپتا ہے

اقبال طارق بحرین

درونِ ذات کا منظر زمانے پر نہیں کھولا
بسر اک رات کرنی ہے ابھی بستر نہیں کھولا
مسافرہوں میں بھوکا ہوں صدائیں دیں بہت لیکن
دریچے کھول کر دیکھے کسی نے گھر نہیں کھولا
میں تجھ سے مانگتا ہوں اس لئے مولا نڈر ہوکر
کہ جب مانگا مرے اعمال کا دفتر نہیں کھولا
یہاں تو ہُو کا عالم ہے یہاں آسیب بستے ہیں
مقفل ہے کئی برسوں سے دل کا در نہیں کھولا
تماشا بن گیا آزاد ہوکر سب کی نظروں میں
قفس کھولا مگر صیاد تُو نے پر نہیں کھولا
پسِ دیوار تیری یاد میں روئے بہت لیکن
سرِ بازار ہم نے یار اپنا سر نہیں کھولا

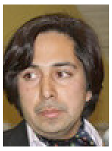

مظفر احمد مظفر

اک مشتِ خاک تھا میں زمیں پر پڑا ہوا
پُر زور آندھیوں سے مرا معرکہ ہوا
اک صبحِ نو دمیدہ سے یوں رابطہ ہوا
”دل زندگی سے بار دگر آشنا ہوا“
اک رُوح ہے فریبِ تبسم پہ نوحہ خواں
اور جسم ہے کہ تارِ نفس سے کٹا ہوا
افسردگیٔ ضبطِ الم عمر بھر رہی
میرا جمالِ نالۂ شب تاب کیا ہوا
جل بجھ گیا جہاں پہ مرا شعلہ ء وجود
پرکارِ زندگی کا وہی دائرہ ہوا
دریا مرے عدم کا تھا منت گزارِ آب
صحرا سمٹ کے خاک کا اک بلبلہ ہوا
اک موجۂ نسیم تھا لیکن وہ دفعتاً
بطنِ صدف سے ملتے ہی دستِ صبا ہوا
محرومیوں نے زیست کے روندے ہیں تار و پود

اک آئینہ ہوں گردِ وفا سے اَٹا ہوا
اصرار ہے کہ نامۂ اعمال کھولئے
کیا ہے بنامِ شوخئِ عنواں لکھا ہوا
تعمیرِ کائناتِ محبت کی ہے دلیل
کانٹوں میں ایک پھول ہے لیکن کِھلا ہو
وہ بھی مثالِ دستِ تہِ سنگ ہی نہ ہو
بادل جو آرہا ہے مجھے ڈھونڈتا ہوا
خوشبو نہ ہو تو پھول فقط رنگ ہی تو ہے
آھنگ جیسے ساز میں کوئی گُھٹا ہوا
نا آزمودہ کار محبت کو کیا خبر؟
خاموشئِ نظر کی خطابت کو کیا ہوا
میلہ ہے آرزوں کا حدِ نگاہ تک
شاید میں کھو گیا ہوں تجھے ڈھونڈتا ہوا
اسکو بھی انقلاب شکن در شکن کہو
چہرہ ہے میرا گردِ سفر سے اَٹا ہوا
آہِ سحر گہی کی صباحت پہ مر مٹے
ہم کشتگانِ شب کو 'مظفرؔ' یہ کیا ہوا

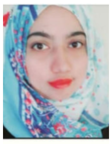

اُمِ عمارہ۔شیخوپورہ

اک عمر کا حصہ بیت گیا
اک عمر کا حصہ باقی ہے...
کچھ خواب پرانے برسوں کے
کچھ خواب سجانے باقی ہیں...
کچھ یادیں پڑی ہیں شلفوں پر
سینے میں بسانا باقی ہیں.....
کچھ لوگ بچھڑتے سالوں کے
آنکھوں میں سمانا باقی ہیں...
کچھ پند ہم نے سیکھے ہیں
اوروں کو سیکھانے باقی ہیں...
یہ سال بھی آخر بیت چلا
وہ سال بھی آنا باقی ہے

ایم اے گلشن لودھراں

چمن میں دلفریبی کی ادائیں
سنیں جو مست بلبل کی صدائیں
زمانے کی طرح وہ بھی ہے سنگدل
ہم اپنا حال دل کس کو سنائیں
اگر دل میں ہے خواہش وصل جاناں
دل کعبہ میں ہی سر کو جھکائیں
جو دل لگتا نہیں وحشی نگر میں
دیارِ یار میں کٹیا بنائیں
جو گزری عمر ہے گلشنؔ زمن میں
زمانے کے ستم کیا کیا بتائیں

فہمیدہ مسرت احمد

خُمارِ رنج و اَلم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
سِتم سے بڑھ کے سِتم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
اگرچہ شہر کا دَستُور ہے زباں بندی
مگر یہ آنکھ بھی نم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
چمن میں سَرو سَمن کی کوئی کمی تو نہیں
نگاہِ شوق بَہم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
سُخن کے واسطے اوزان شرط ہے صاحب
غزل کا کوئی رِدھم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
وہ جن کے نام پہ ہم کو کیا گیا مصلوب
انہی کا دین دھرم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
ہزار بار منایا ہے منتیں کرکے
تمہارا زعم جو کم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
اُنہیں یہ ضد کہ کریں جی حُضوریاں ہر پل
قصیدہ ہم سے رقم ہی نہ ہو تو کیا کیجے
تمام شکوے مُسَرّت فضول لگتے ہیں
جب اُن کو یاد قسم ہی نہ ہو تو کیا کیجے

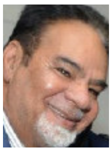

عاصی صحرائی
پرویز مشرف

فیصلہ آچکا عدالت کا
جرم لکھا گیا بغاوت کا
نالاں بہت ہے خلقِ خدا
بھرم کھل گیا عدالت کا
کرتوت دیکھ چکے وکیلوں کے
اور قاضی بنا نشان جہالت کا
حق تو رکھتا تھا بڑے اعزاز کا
مگر دیا تمغہ اسے بغاوت کا
ملائیت نے کیسے گل کھلائے
نام بدنام کیا ریاست کا
ہر کوئی حرص و ہوس کا نوکر ہے
سبق کیسے پڑھیں امامت کا
نام مسلم تو رکھ لیا لیکن
رہا کردار یزید سے شراکت کا
رہزنی تو کامیاب بزنس ہے
اجر ملتا ہے یاں خیانت کا
دنیا داری تو گاڑ چکی پنجے
قوم بھول گئی سلیقہ عبادت کا
چورن اس کا بہت ہی بکتا ہے
اُبلے چشمہ زباں سے گر غلاظت کا
سچ تو ہوتا ہے بہت کڑوا
عاصیؔ موقع نہ دو شکایت کا

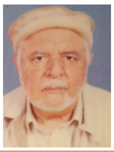

خواجہ عبدالمومن

رہا واسطہ میرا کرب و بلا سے
ہے گزری مری عمر دکھ سہتے سہتے
میرا تو خدا کی پناہ ہے ٹھکانہ
سکون مل رہا ہے وہاں رہتے رہتے
سہارا دیا ہے اس نے ہمیں کو
پکارا ہے جب اس کو رب کہتے کہتے
کیا یاد ہم نے خدا کو ہمیشہ

اس کیلئے زنج و غم سہتے سہتے
یوں بحر محبت میں غوطے لگا کر
یہ پہنچا ہے مومن کہاں بہتے بہتے

ساجد محمود رانا

تم کو آتا ہے نظر جو حوصلہ! رہ جائے گا
خواب کی تعبیر میں یہ گُل کِھلا رہ جائے گا
حادثہ گزرا ہے جو اُف کیا کہوں وہ حادثہ
آگ بجھ جائے گی لیکن حادثہ رہ جائے گا
یہ دوا افسوس ٹیبل پر پڑی رہ جائے گی
جو دیا تھا رب کو تُو نے واسطہ رہ جائے گا
دیکھنا کھو جاوں گا میں منزلوں کی کھوج میں
منزلوں کو ڈھونڈتا یہ راستہ رہ جائے گا
تیری خاطر جان بھی قربان کر دوں میں اگر
تجھ کو مجھ سے پھر بھی کچھ لازم گلہ رہ جائے گا
عکس کی حیرانیاں جب سرخ ہوں گی صبح دم
سبز آئینے سے شب کا سامنا رہ جائے گا
ٹھیک ہے ہم ایک ہوجائیں گے پھر سے جانِ جاں
پر ہمارے درمیاں اب فاصلہ رہ جائے گا
لفظ دیواروں سے سرٹکرا کے واپس آئیں گے
خاکداں میں اک پرانا خط جلا رہ جائے گا
میں تو مر جاوں گا ساجد پر بھٹکتا دشت میں
میری وحشت نے جنا جو قہقہہ رہ جائے گا

آسی سلطانی

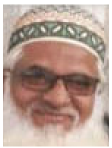

جب خمارِ عشق میں یا تشنہ لب ساغر لیا
تب گمانِ وصل نے دو آتشہ منظر لیا
میں نے ارضِ شوق پر پودا لگا کر عشق کا
آسمانِ درد سے دامن کو اپنے بھر لیا
قیس کے منصب پہ سمجھوں کیوں نہ اپنے آپ کو
دیکھ کر مجھ کو زمانے نے بھی جب پتھر لیا
دردِ دل کو شکل و صورت یوں بھی دیتا ہے کوئی
جسم و جاں کاغذ بنا کر لفظ کا خنجر لیا
جانتا تھا کون آسی تیری مجبوری مگر
دوستوں نے بھی کہانی کا مزہ سن کر لیا

آصف ثاقب

کسی سے آنکھ ملاتا نہیں دلِ ناکام
تمہارا نام لیا تھا کہ ہوگیا بدنام
نہال گرم محبت ہے ٹھنڈے پانی سے
کہ بالاکوٹ سے منسوب ہے ہماری شام
لپک کے شوق سے وحشی لکھائی چومتے ہیں
ہر ایک پیڑ پہ لکھا ہے ہم نے تیرا نام
خزاں کے خشک جریدوں پہ خط کتابت ہے
بہار ان پہ رقم کر رہی ہے ہم کو سلام
نظر بچا کے گزرنا بھی اک تماشا ہے
کبھی تو آپ کو ثاقب پڑے گا ہم سے کام

آغر ندیم سحر

ہم درختوں کو اگر خواب سنانے لگ جائیں
ان پرندوں کے تو پھر ہوش ٹھکانے لگ جائیں
آخری پل ہے ذرا بیٹھ کے باتیں کر لیں!
عین ممکن ہے پلٹنے میں زمانے لگ جائیں
یہ بھی ممکن ہے کہ چپ چاپ سرِ بنام رہیں
یہ بھی ممکن ہے کوئی گیت سنانے لگ جائیں
ہم ہیں تنہائی کے مارے ہوئے کمرے کے مکیں
جو بھی مل جائے اُسے دوست بنانے لگ جائیں
ہم نئے دور کے عشق بھی عجب ہیں کہ ندیم
جو بھی مل جائے اُسے شعر بنانے لگ جائیں

ڈاکٹر آفتاب عرشی

شہرِ مقتل کو ہُوا پھر سے بسانا اچھا
چل کے دیکھیں گے وہیں کس کا نشانا اچھا
بے رخی سے تری احساس مجھے ہوتا ہے
تجھ سے بہتر ہے مری جان بے گانا اچھا
اِس سے بہتر ہے رکھو خود کو ہی تنہا لیکن
ایسے ویسے سے کہاں دل کا لگانا اچھا
ہم نے سیکھا ہے بزرگوں کی نصیحت سے یہی
لاکھ دشمن ہو ، نہیں دل کا دُکھانا اچھا
اب حقیقت کو چلو یوں ہی بدل کر دیکھیں
لوگ سن کر جسے کہہ دیں، ہے فسانہ اچھا

آمنہ عالم

کچھ ایسا دل پہ کبھی تو غبار ہوتا ہے
بدن پہ سانس کا لینا بھی بار ہوتا ہے
کہیں تو وقت پہ روٹی نہیں میسر اور
کہیں پہ عیش ضرورت شمار ہوتا ہے
کھلی فضائیں کہاں سب کوراس آتی ہیں
اس فضا میں پرندہ شکار ہوتا ہے
گلاب جیسا مقدر تمہیں مبارک ہو!
کسی کسی کی حفاظت کو خار ہوتا ہے
بتا رہی ہے یہ رنگت اُداس چہرے کی
کٹھن چڑھائی سے بڑھ کر اُتار ہوتا ہے

ابنِ عظیم فاطمی

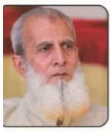

اسے مجھ سے شکایت ہو رہی ہے
یقیناً اب محبت ہو رہی ہے

میرا ہی ذکر ہے اس کے لبوں پر
زمانے بھر کو حیرت ہو رہی ہے
تمہاری یاد کی محفل سجی ہے
امانت میں خیانت ہو رہی ہے
عقائد کے سرابوں میں بھی گُم ہیں
مگر پھر بھی امامت ہو رہی ہے
عظیمِ ناتواں کچھ فکر ڈالو
غزل کی بس اشاعت ہو رہی ہے

حاجی ابوالبرکات

جب کبھی وحشتِ دل سے دعائیں مانگیں
پھول ہاتھوں میں لئے داورِ محشر آئے
ہم نے کس فن سے تراشا تھا یہ شیش محل
لوگ ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے پتھر آئے
راہ بس ایک ہے پیمانہ راہ بھی ایک
یوں تو کہنے کو یہاں کتنے قلندر آئے
اپنے اخلاص کی پونجی کو تو ارزاں نہ سمجھ!
یہ وہ دولت ہے جسے لے کے پیمبر آئے
اپنے جور و ستم پر نہ یوں نازاں ہونا
تم سے پہلے بھی بہت اہلِ ستمگر آئے

احسان شاکر

شبِ غم کے گزرنے میں ابھی کچھ دیر باقی ہے
نیا سورج نکلنے میں ابھی کچھ دیر باقی ہے
اُداسی اور سناٹا وہی کمرے کی تنہائی
طبیعت کے بہلنے میں ابھی کچھ دیر باقی ہے
یہ میرے پیار کی کشتی جو گہرے پانیوں میں ہے
اسے بچ کر نکلنے میں ابھی کچھ دیر باقی ہے
کھلے گیسو سنوارو تم ابھی اپنے ہی ہاتھوں سے
مرے ہاتھوں سنورنے میں ابھی کچھ دی باقی ہے
چلو ہونٹوں کی جنبش سے دلوں کے حال کہہ ڈالیں
بچھڑ کر پھر سے ملنے میں ابھی کچھ دیر باقی ہے

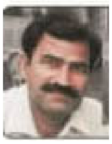

اختر چیمہ

غمِ زمانہ سے مجھ کو رہائی دیتا ہے
کہ جب وہ ہاتھ میں دستِ حنائی دیتا ہے
نگارِ حسن یہ اعجاز تیرے حسن کا ہے
اب آئینے میں بھی تو ہی دکھائی دیتا ہے
اسیرِ زلفِ ستم گر ہوں ایک مدت سے
قبولتا ہے نہ مجھ کو رہائی دیتا ہے
نہ جاندار ہیں ہم روز جن سے ملتے ہیں
کہیں کہیں کوئی انساں دکھائی دیتا ہے
ہماری آنکھ سے دیکھو کبھی زمانے کو
ہے سب فریبِ نظر جو دکھائی دیتا ہے

اخلاد الحسن اخلاد

دل کی اُلجھن مجھے جتاتی ہے
چاندنی اب تو من جلاتی ہے
غم کا پہلے علاج تھا ہنسنا
اب تو ہنسنے سے جان جاتی ہے
رُت ہے بیتی وہ خواب تکنے کی
اب تو مشکل سے نیند آتی ہے
حافظہ ایسا ہجر نے چاٹا
بات مشکل سے یاد آتی ہے
جھوٹ اخلاد کہتا دنیا ہو
دل میں دنیا بھلا سماتی ہے

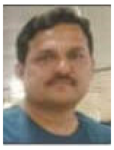

احمد سجاد بابر

رات دیکھا تھا بھاگتا جنگل
ایک وحشت میں ہانپتا جنگل
اِک شکاری نے فاختہ ماری
درد مارے تھا کانپتا جنگل
بارشوں میں دھال پڑتی ہے
بوند پی کر ہے ناچتا جنگل
مجھ کو اپنا ہی خوف ہے صاحب
میرے اندر ہے جاگتا جنگل
اب درندے ہیں شہر میں بستے
کاش! بابؔر نہ کاٹتا جنگل

احمد محمود الزمان

بزمِ میثاق میں اُس شوق کو لایا جائے
جلوۂ شوخئ مستور دکھایا جائے
کل خمستاں میں دیا حکم، قسیمِ مل نے
پی کے مَے کوچۂ جاناں میں نہ جایا جائے
رند فارغ بھی ہوئے جامِ سحرگاہی سے
خوابِ خرگوش سے زاہد کو جگایا جائے
میں نے کب طفل کی تہذیب میں کم کوشی کی
مجھ کو کیوں کاسۂ سقراط پلایا جائے
داد گر بھی ہے ترا چاہنے والا احؔمد
کیوں سرِ حلقۂ زنجیر ہلایا جائے

ڈاکٹر ارشاد خان

سہل ہوا تھا، آگ لگانا، بولو نا!
کھیل نہیں پر آگ بجھانا، بولو نا!
تیرا کہنا، خواب کی باتیں، خواب ہوئیں

یاد ہے اب بھی خواب سہنا، بولو نا!
حُسن کی تابش ہے یا میرا پاگل پن
کیوں لگتا ہے، چاند پرانا ، بولا نا!
حق ہے میرا، کیوں ساحل پہ اُٹھ اُٹھ کے
موجوں کا وہ دیکھتے جانا، بولو نا!
بھول چکا ارشادؔ، مگر کیوں چپکے سے
موج صبا کا دل میں آنا، بولو نا!

ارشد شاہین

آب یوں متاعِ درد کو کھوتا تو ہے نہیں
کرنا ہے ضبط، ہجر میں رونا تو ہے نہیں
اس دل کے داغ سب کو دکھاؤں تو کس لیے
آ کر کسی نے بوجھ یہ ڈھونا تو ہے نہیں
ترکِ تعلقات کی کوشش فضول ہے
صاحب یہ کام آپ سے ہونا تو ہے نہیں
بہتر ہے اُس کی یاد سے کر لوں مکالمہ
ویسے بھی رات بھر مجھے سونا تو ہے نہیں
اُس بے وفا کی چھوڑ کوئی اور بات کر
ارشدؔ یہ ایک رات کا رونا تو ہے نہیں

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

حرمِ وہم سے آگے درِ ادراک سے دور
ایک دنیا ہو مگر خیمۂ افلاک سے دور
کون رکھتا ہے ستاروں کی تمنا مجھ میں
کون کرتا ہے مرا جذبِ دروں خاک سے دور
نقش اُبھرا نہ کوئی مجھ میں بقا کا اب تک
کوزہ گر دیکھ نہ کر مجھ کو ابھی چاک سے دور
قریۂ ہجر میں اب آگ لیے پھرتا ہے
وہ جو رہتا تھا بہت عشق کے پیچاک سے دور
دل جسے بھول گیا عرصۂ نادانی میں
عکس اس کا نہ ہوا دیدۂ نمناک سے دور

ایم اے دوشی

عدوئے جاں کو بھی اب مہرباں سمجھتا ہوں
یہ بات سچ ہے مگر میں کہاں سمجھتا ہوں
میں تجھ سے بڑھ کے تجھے جانتا ہوں، دعویٰ ہے
وہ یوں کہ خود کو تری داستاں سمجھتا ہوں
جو آنکھ اشک کی دولت سے مالا مال نہیں
میں ایسی آنکھ کو بس رائیگاں سمجھتا ہوں
وہ کہہ رہا تھا ، سمجھ ہے کوئی محبت کی
میں بے خیالی میں بولا کہ ہاں سمجھتا ہوں
یہ میری ذات ہے کربل کا آئینہ دوشیؔ
میں اپنی سانس کو نوکِ سناں سمجھتا ہوں

شائق نصیر پوری

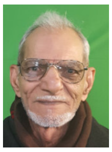

ساتھ جب سے تمہارا چُھوٹا ہے
آفتوں کا پہاڑ ٹوٹا ہے
اشک رکتے نہیں ہیں روکے سے
کوئی ٹانکا جگر کا ٹوٹا ہے
مجھ کو شکوہ نہیں ہے غیروں سے
مجھ کو اپنوں نے مل کے لوٹا ہے
تم ہو یا ان سیاہ گلیوں میں
کوئی تارا فلک سے ٹوٹا ہے
اک مسافر نے اک مسافر کا
کاروانِ حیات لوٹا ہے
ہاں اسی فصلِ گل میں اے شائقؔ
بن کے میرا نصیب پھوٹا ہیو

فہیم رحمان آذرؔ

گفتگو وہ عاشقانہ سب حرام
یار، جانی، دلبرانہ سب حرام
زلف کی خوشبو ملے گر یار کی
مُشک، عنبر، زعفرانہ سب حرام
چل پڑے ہم آج سے جنگل کی اور
گھر، گلی، دفتر، ٹھکانہ سب حرام
سوگ میں ہے گلستاں، سو اے بہار
برگ، کلیاں، گل کِھلانا سب حرام
عشق تجھ سے اب مجھے اِتنا نہیں
ناز، نخرے، لاڈ اُٹھانا سب حرام
چھوڑ کر جانا ہے جس نے جائے وہ
سوگ، ماتم، غم منانا سب حرام
جس نے ملنا ہے ملے وہ ہم سے اب
پھر، کبھی، شاید، بہانہ سب حرام
کام جنبش سے اگر ہو آنکھ کی
تیر، خنجر، سے نشانہ سب حرام
اب تجھے میں بھول جانے والا ہوں
یاد کرنا یاد آنا ... سب حرام
کل پرندے چھت سے یوں کہہ کر اُڑے
"ہم پہ تیرا پانی دانہ سب حرام"
اوڑھ کر ہم چُپ کی چادر سو گئے
اب گلہ، شکوہ یا طعنہ، سب حرام
اُس نے ٹھانی ہے دوبارہ سے مجھے
پاس پہلو میں بٹھانا سب حرام
آج سے آذرؔ . . . بنے ہم پارسا
رقص، مجرا، ناچ، گانا، سب حرام

***

افسانہ

خرچی

تحریر:
مبشرہ ناز

ہاتھ میں اُس کی ڈائری پکڑے میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اسے گئے چند دن ہی گزرے تھے، زندگی کے پیروں کے نیچے کسی نے تپتی دھوپ لا کر رکھ دی تھی۔ میرا سارا وجود پیروں میں سمٹ گیا، جلن تھی کہ رگ جاں کو آ گئی۔ اس نے کبھی مجھ سے پیسوں یا کسی چیز کی فرمائش نہیں کی تھی۔ اسے کسی بھی چیز کی طمع یا لالچ نہیں تھا اسے بھرم رکھنے آتے تھے۔ وہ زندگی کے ہر سرد گرم میں میرا ساتھ نبھاتی رہی۔ جب سے بڑا بیٹا پڑھ لکھ کر افسر بنا تھا۔ وہ اس سے اکثر خرچی مانگا کرتی۔ اور وہ بھی بڑے شوق سے ماں کو ہر ماہ خرچی دیا کرتا۔ میں کئی بار خرچی کے ان روپوں کو چھو کر دیکھتا بس وہی عام سے روپے تھے۔

مجھے حیرانگی ہوتی اُن چند سو روپوں میں جانے کیا تھا۔ بیٹے کے دیئے چند سو کے بدلے اس کی آنکھوں کی چمک ستاروں کو ماند کرتی۔ اس کی آنکھوں کی وہ چمک چند لمحوں کے لیئے مجھے کسی اور جہان میں لے جاتی، وہ زیر لب جانے کیا دعائیں مانگتی جو پلکوں پر چمکا کرتیں ایسے میں اس کے چہرے پر دھنک کے سارے رنگ پھیل جاتے ماتھا جگ مگ کرتا، میں بچپن سے اس چمک کو ڈھونڈ رہا تھا۔ جگنو کی طرح مٹھی میں بھرنا چاہتا تھا مگر وہ میری مٹھی میں آتی ہی نہیں تھی۔ اور اِس کی مانگ کا سیندور بنی بیٹھی تھی۔ میں چمک کہ اس راز کو پانا چاہتا تھا۔ کہ اُس کی زندگی کی ڈور اچانک میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ اللہ کے پاس چلی گئی۔ میری نصف بہتر جس کے ہوتے ہوا احساس ہی نہیں تھا کہ اس کے ہوتے ہو ہوتے تھے زمانے میرے۔ اس کے جانے کہ کئی روز کے بعد صندوق کی تہہ سے ملنے والی ڈائری میں مجھے وہ چمک رکھی ملی۔ میرا دل تب سے میرے بس میں نہیں وہ تو بس صندوق میں پڑی ڈائری سے لپٹا ہے۔ ڈائری میں اس نے بیٹے سے ملنے والے جیب خرچ کا حساب لکھ رہا تھا۔ ”حساب عمر کا اتنا سا گوشوارا ہے۔ تم کو نکال کر دیکھا تو سب خسارہ ہے“ اُس کے حساب پڑھتے پڑھتے میں اپنے سود و زیاں کا حساب کرنے لگا۔ روتے بلکتے بچپن کی گود میں درد کی مٹی سے گندھا میں اک مٹی کا کھلونا سا اپنے ہی آنسوؤں سے بھرا ہوا بچپن والی گلیوں میں ساون بھادوں کے مستقل ڈیرے تھے گھر میں اللہ کا دیا بیشمار تھا ابا کھلے دل سے اماں کو خرچہ دیا کرتے۔ مگر میں نے اماں کو گھر بناتے اور خوش ہوتے کبھی نہیں دیکھا، انہیں صرف اپنی ذات کی فکر تھی۔ اماں کو کپڑے بنانے اور چیزیں خریدنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ گرمیوں میں روزانہ لان کا نیا جوڑا پہنا کرتیں، گھر میں ہزار نعمتوں کے ہوتے ہوبھی ہم رُلا کرتے نہ کھانا ڈھنگ سے پکتا نہ گھر ٹھیک سے چلتا۔ نوکروں کے باوجود ہر طرف بکھیرا ہوتا تھا، اس کے باوجود اماں کو ہی ہر ایک سے شکوہ تھا ناراضگی تھی۔ کچھ دن پہلے چھوٹی بہن سے ملاقات ہوئی ”بھائی آپ کو یاد ہے۔ میرے یونیفارم کی شلوار اکثر پیلی رہ جاتی اور قمیض پر نیل کا گہرا رنگ چڑھ جاتا، چھوٹی تھی نا میں، اسی لیئے مجھ سے کپڑے ٹھیک سے نہیں دھلتے تھے“۔ میری ساری سہیلیاں میرا مذاق اُڑایا کرتیں۔ وہ بظاہر ہنستے ہوئے میرے ساتھ گزرا بچپن پھر سے بتانا چاہتی تھی۔ بہت بہادر بن رہی تھی، مگر اس کے ہونٹوں کی ہنسی اتنی نمکین تھی کہ میرا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اگلے کئی دن میری آنکھوں نے اسی منظر میں گزار دیئے۔ دنیا میں صرف دو رنگ بچے پیلا اور نیلا، باقی کے سارے رنگ ہی اُڑ گئے۔

اپنے گھر بار اور کاروبار والا ہونے کے بعد میں بھی اماں کو حسب توفیق کچھ نہ کچھ جیب خرچ دیا کرتا مگر اماں خوش نہیں ہوتی تھیں اور میری آنکھیں اس ستاروں جیسی چمک کی دید کو ترستی رہیں اور شاید اماں کی اپنی آنکھیں بھی۔ اماں کے لب دعاؤں سے نا آشنا تھے بہن بھائیوں کو دل بھر کر بددعائیں دیتیں اماں کم ہی کسی سے خوش ہوتی تھیں۔ جانے کیا تھا کس کی بددعا لگی تھی اماں کو سکون میں کبھی نہیں دیکھا۔ زندگی گزرتی رہی میں نانا دادا بن گیا مگر اماں کا ڈر ذہن سے نہیں اُترا۔ آج اس ڈائری میں لکھے حساب کتاب سے مجھے اس چمک کا سراغ مل گیا تھا لکھا تھا پیارے طلحہ تمہاری بھیجی خرچی اس بار ایک غریب بچی کے جہیز میں خرچ ہو گئی سوچا تھا اچھا سا ڈیزائنر جوڑا لوں گی مگر ہر بار کی طرح اللہ نے مجھ سے ٹھگ لی۔ بڑے خوش نصیب ہو تمہاری دی خرچی میں جانے ایسی کیا بات ہے جو اللہ ہر بار اسے مجھ سے ٹھگی لگا کر لے جاتا

ہے۔مگر میں اسی میں خوش ہوں چلو جوڑا اگلی بار سہی، جیتے رہو دین اور دنیا کی حسنات میں سے حصہ پاؤ۔ڈائری کے صفحے پر اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ڈائری میں خرچی کی پائی پائی کا حساب لکھا تھا۔کہیں دودھ والے کی بیمار بھینس پر خرچ ہوئی اور کہیں سپارے والی اماں جی کے گھر پنکھا لگوانے پر۔ لکھا تھا میرے لختِ جگر تمہاری کمائی میں خدا مزید برکت ڈالے جُگ جُگ جیو، بڑے چالاک ہو۔۔۔! جانے کس نیت سے ماں کو خرچی بھجواتے ہو مجال ہے جو میرے کسی کام آ جائے۔(میں بے اختیار ہنس دیا چالاک تو وہ تھی خرچی بڑے منافع بخش کاروبار میں لگا رکھی تھی)

اللہ بھلا کرے،اس بار تمہاری سپارے والی اُستانی جی کے گھر پنکھا لگوا دیا ہے۔ان کا پنکھا خراب ہو گیا تھا۔اس دن بازار جانے سے پہلے ملنے گئی،جوتوں پر بڑی اچھی سیل لگی تھی سوچا ایک جوڑا تو لے ہی آتی ہوں بس قسمت خراب،راستے میں تمہاری استانی جی سے ملنے رُک گئی تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔جانتے ہو نا ایک دفعہ قاعدے کا صفحہ پھٹ گیا تو تم کئی دن تک پڑھتے رہے لکیر کے اوپر دو پھٹے ہوئے نقطے۔استانی جی اُس بات کو یاد کر کے آج بھی مسکرا رہی تھیں۔لکیر کے اوپر والے نقطے استانی جی نے کب رفو کئے، کب تمہیں نمازوں کا چسکہ لگا کب تم بڑے افسر بنے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ان کی مسکراہٹ میں سے آتی دعاؤں کی مہک تمہارے نوٹوں کی مہک پر بھاری پڑ گئی۔پھر بتاؤ بھلا میں تمہاری خرچی پر مل مار کر کیسے بیٹھ جاتی اور سچ پوچھو تو جوتی کی ضرورت بھی نہیں تھی کلارکس کی جوتیاں مہنگی بھی بہت ہیں۔چلو اگلی بار سہی سیل تو لگتی رہتی ہے۔میں زار زار روتے سوچ رہا تھا وہ زیادہ خوش قسمت تھی یا میرا بیٹا طلحہ۔اللہ ایسی ٹھگیاں خوش نصیبوں کو ہی لگایا کرتا ہے اور خوش نصیب وہی جو شکر کرنا جانتے ہوں۔آج میں نے اُس چیک کا سراغ پا لیا تھا۔میری اماں صرف عورت تھیں ماں ہوتے ہوئے بھی ماں نہ بن سکیں۔ ناشکری مامتا سمیت سب کچھ نگل گئی تھی۔شلوار کی پیلاہٹ اور قمیض کا نیل میرے اندر گھل گئے تھے۔اماں کی خرچی ناشکری ٹھگ گئی۔

***

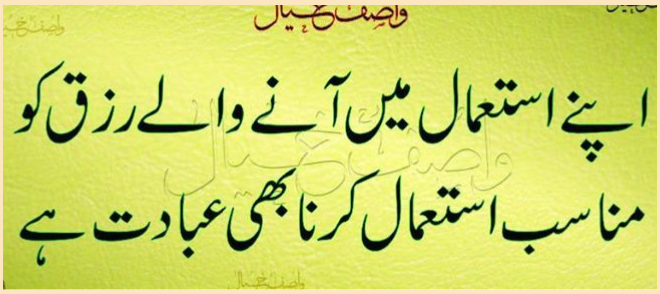

طاہرؔ عدیم
محبت کا شاعر

امجد مرزا امجدؔ

خود جاتے ہیں الفاظ میں ڈھل، ترے نین کنول
میں لکھتا نہیں، لکھتے ہیں غزل، ترے نین کنول

شاعر کا دل اس قدر نازک اور حساس ہوتا ہے کہ اسے ذرا سی حسن کی جھلک بھی موم کی مانند پگھلا کر رکھ دیتی ہے،ہلکا سا محبت کا اشارہ ہو تو وہ پروانہ بن کر اس کی تپش پر جان قربان کر دیتا ہے۔اور پھر اوپر دیئے ہوئے شعر کی طرح الفاظ خود بخود ڈھل کر ایک خوبصورت غزل کا روپ دھار لیتے ہیں۔مگر یہ کیفیت اسی پر نازل ہوتی ہے جس کا دل قلم کی نوک پر اٹکا ہوا اس ارتعاش کا منتظر ہو...

یہی کیفیت ہمارے خوبصورت شاعر طاہر عدیم کے ہاں پائی جاتی ہے۔ جو اپنے وطن سے ہزاروں میل دور جرمنی میں مقیم ہیں۔خوبصورت نوجوان ،خوش لباس،خوش گفتار اور خوش کلام ہیں جو دور دور کا سفر اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے کرتے ہیں اکثر لندن کے عالمی مشاعروں میں ملاقات ہوئی ان کا خوبصورت شعری مجموعہ بنام ”ترے نین کنول“ مجھے عطا ہوا جس کے مطالعہ میں کئی باران کی غزلوں نے مجھے بے خود کر دیا۔اور میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ محض دردِ ذات ہی نہیں رکھتے بلکہ دردِ کائنات کو اپنے سینے میں سمونے کا ظرف رکھتے ہیں اور اپنے اشعار کے وسیلے سے اس کے اظہار کا یارا بھی رکھتے ہے۔ان کی غزلوں نظموں میں ہجر و وصال کے قصے نہیں بلکہ زندگی کی ترش و تلخ حقیقتوں سے آگاہی ہے وہ اپنے اشعار میں بے رحم سچائیوں کے پر خار رستوں سے آگاہ کرتے ہیں انہیں ایک خوشگوار انقلاب کی آمد کا یقین ہے اور اپنے خلوص و عزم پر بھروسہ بھی جس کا وہ کھل کر اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

مسکراتے ہوئے طاہرؔ وہ چلا آتا ہے
پھول کھلتے چلے جاتے ہیں چمن میں دیکھو

ان کے اشعار سے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ ہجرتوں کی اذیت ناکی لفظ و شعر کے لباس میں صفحۂ قرطاس پر اترتی ہے تو ان کا غم کچھ ہلکا ہو جاتا ہے اور

راحت وانبساط کی کہکشاں ان کی نظروں میں منور ہو جاتی ہے۔

گرچہ ہر جانب کڑے پہرے لگے ہیں دہر میں
پھر بھی ملنے کو وہ آتی ہے کڑی دوپہر میں

شاعری صرف جذبات کی ترجمانی نہیں ہے بلکہ ایک فن ایک صناعی ہے شاعر الفاظ کی مدد سے اپنے حسیات وتخیلات جذبوں ،ولولوں ،امنگوں اور اپنے تجربات ومشاہداتِ زندگی کو تعمیری عمل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔اسی طرح جیسے ایک بت تراش اپنے مجسمے کو بنانے میں مناسب موزونیت وتوازن کا خیال رکھتا ہے اسی طرح زبان کا خیال شاعری میں بھی رکھنا پڑتا ہے۔حقیقی شاعر کے دل ودماغ میں جذبات وخیالات کے ساتھ ساتھ الفاظ ونقوش وزن کی لہریں اٹھتی ہیں اوران جذبات وخیالات کے ہمراہ الفاظ کی بھی اچھا ہونے کی اہم ضرورت ہوتی ہے۔

فقط تم ہی نہیں ناراض مجھ سے جانِ جاناں
مرے اندر کا انساں تک خفا ہے۔۔انتہا ہے

آپ خوبصورت الفاظ کا چناؤ کس سادگی کے ساتھ ادا کرنے کا فن جانتے ہیں جس کی مثال ان کے چند اشعار میں ملاحظہ ہو۔۔

گر وہ آ کر ہاتھ میرا تھام لے طاہرؔ عدیم
اپنی اک اک سانس لکھ دوں گا میں اُس کے مہر میں

اس کو لوٹاتے نہ یارو ! ہم کبھی بھی خالی ہاتھ
لازماً دیتے جو ہوتا دل ہمارا دوسرا

طاہر عدیم غزل کے شاعر ہیں اور غزل قصۂ محبت کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتی ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ وہ محبت کے شاعر ہیں۔محبت تو ایک ایسا انمول و مقدس جذبہ ہے جس کے بغیر انسان مکمل ہی نہیں۔شاعر کی شاعری اس مٹھاس کے بغیر پھیکی ہی نہیں نامکمل بھی رہتی ہے۔۔۔!!!

تیرے ہونے سے ہے ثابت مرا ہونا طاہرؔ
میرے ہر فن میں ادا تیری اداؤں کے طفیل

کوئی اس سے زیادہ کسی سے کیا پیار کرے گا جب وہ یہ کہہ دے کہ...

وہ سمندر ہو ، بھنور ہو یا کنارا تو رہے
کاش میری آنکھ میں سارے کا سارا تو رہے

اوراس شعر کی خوبصورتی دیکھئے۔بے اختیار دل سے واہ واہ نکلتی ہے۔۔...

باندھوں گا کسی دن تجھے لفظوں سے میں اپنے
اُتروں گا ترے دل میں ان اشعار کے رستے

لکھنے کو تو طاہر عدیم کی خوبصورت شاعری پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے ان کے ایک دیوان کے منتخب اشعار چننے لگوں تو کئی مالائیں بن جائیں مگر کاغذ کے پیرہن کی کشادگی اتنی نہیں لہذا ان کے چند مزید خوبصورت اشعار کے ساتھ اجازت چاہوں گا اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ان کی قلم میں مزید برکت دے اور وہ اسی طرح قرطاس کے پھول کھلائے رکھیں اور ادب کی آبیاری کرتے رہیں۔غیر ممالک میں محدود وسائل اور وقت کی قلت کے باوجود جو طاہر عدیم جیسے ادب سے محبت کرنے والے اپنی شاعری یا نثر میں اردو و پنجابی ادب کے گلستان کھلائے بیٹھے ہیں وہ قابل تحسین ہیں ،قابل تعریف ہیں۔

نڈھال ذہن ، ہنر چُور چُور کرنا ہے
تمہارے حسن کو وقفِ سطور کرنا ہے
تمہاری آنکھ کا رونا عذاب لگتا ہے
مرا وجود مجھے زیرِ آب لگتا ہے

آخر میں دیار وطن میں اپنے وطن کی محبت کا بے مثال شعر...

بھری دنیا کا طاہرؔ چپہ چپہ چھان مارا ہے
نہیں پایا کہیں بھی شہرِ پاکستان کا منظر

غزل

شہزادہ مبشر گلاسگو ساؤتھ (سکاٹ لینڈ)

جنگ کی آگ میں دنیا کو جلاتے کیوں ہو
حشر خاموش فضاؤں میں اٹھاتے کیوں ہو
پھر یہ خوں ریزی وتخریب وفسادات ہیں کیوں
گوشۂ دل میں بھڑکتے ہوئے جزبات ہیں کیوں
امن کے نام پہ بم باری بھلا کیا معنی
ہر طرف نعرہ یلغار بھلا کیا معنی
جنگ آشوب و ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں
قہر و طوفان و قیامت کے سوا کچھ بھی نہیں
اب تو یہ جان بہانے کا عمل ترک کرو
طاقت و زعم دکھانے کا عمل ترک کر

مکمل صورتِ حال

عاصی صحرائی

پوری دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی عدالت ایسا رویہ اختیار کرے جس سے یہ تاثر ملے کہ جج کی مجرم سے ذاتی دشمنی ہے۔ میں نے ریپ اور قتل کے بھیانک مقدمات میں بھی ان ججز کو تحمل اور برداشت سے فیصلہ کرتے دیکھا ہے، جبکہ اس وقت ان کا میٹر گھوم جانا یا جذباتی ہوجانا بنتا تھا۔قصور کی زینب کے قاتل کو جب سزا سنائی جاتی تھی تو پوری قوم چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ سرعام پھانسی دو، مگر زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد... پاک فوج کا سابق سربراہ، 65 سے کارگل اور دہشت گردی کے خلاف ہر جنگ کا حصہ بننے والا، نواز شریف کی فوج کے خلاف سازش کے نتیجے میں مارشل لاء لگانے پر مجبور کئے جانے والے جنرل پرویز مشرف کے خلاف یہ جج اپنے فیصلے میں لکھتا ہے کہ اسے (مفرور کو) گرفتار کرکے لایا جائے۔ سزا پر عملدرآمد کیا جائے، اگر مردہ ملے تو ڈی چوک میں گھسیٹ کر اسکی لاش لائی جائے اور تین دن تک اسے عبرت کے نشان کے طور پر پارلیمنٹ کے سامنے لٹکایا جائے... یہ ہے وہ مافیا جس نے اس ملک کی سپاہ، اس وطن کی واحد محافظ اور دشمن کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ پاک فوج کے خلاف ایک ایسا محاذ کھول دیا ہے کہ جس سے انکی پشت پر کھڑا دشمن اب صاف دکھائی دے رہا ہے۔کل ایک بھارتی خاتون تجزیہ نگار کی بات پڑھی، فرما رہی تھی کہ پاکستان کی تباہی بھارت کا ون پوائنٹ ایجنڈا ہے جو اکھنڈ بھارت کی سب سے بڑی شق ہے، پاکستان کی تباہی کے لئے پوری تیاری کرلی گئی ہے، پاکستان کے اندر ہر قسم کا ایجنٹ گھسا دیا گیا ہے۔

خود پاکستان کی عوام اور اسکے سیاست دان ہمارے لوگ ہیں، مگر اس راستے کا سب سے بڑا پہاڑ اور رکاوٹ پاک فوج ہے، پاک فوج کی تباہی ہی پاکستان کی تباہی ثابت ہوگی، مگر بدقسمتی سے یہ ہی وہ واحد رکاوٹ ہے جسے ختم کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ یہ فوج جس کا ایک ایک سپاہی اپنے وطن پر مرمٹنے کو تیار ہے۔اس فوج کو دینے کے لئے ہر گھر میں مائیں اپنے بچے تیار کر رہی ہیں۔باوجود اس کے کہ پاکستان کی افواج میں شہادت کی شرح دنیا کی بلند ترین ہے، اس قوم کے والدین اپنے بچے فوج میں بھیجتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ایک فوجی بھرتی دفتر کے افسر نے بتایا کہ جب سے اس نے فوج میں شمولیت اختیار کی ہے، اس وقت سے اب تک فوج میں بھرتی کے خواہشمند افراد کی تعداد دس گنا سے بھی زیادہ ہو چکی ہے۔انھوں نے کہا کہ کاش میں ان سب کو بھرتی کرسکتا! جنرل باجوہ نے بطور چیف اس ملک سے دہشت گردی 98 فیصد ختم کردی ہے۔

سیاسی پارٹیوں کی آڑ میں چھپے غدار اور ملک دشمن عناصر اس وقت انتہائی بے صبری سے اپنے آقاوں کے فائنل مقصد، یعنی پاک فوج کی تباہی، کے لئے بھرپور کوشش کررہے ہیں۔جبکہ ایک طرف ملک کی عزت کے لٹیرے جو جیلوں میں بند تھے، اب ایک مخصوص لابی کے سہارے ملک سے بھگائے جا رہے ہیں۔یہ اس معرکے کی آخری سٹیج ہے۔اس کے بعد اگر اس قوم نے عقل کے ناخن نہ لئے اور اسی طرح بدمست ہاتھی کی روش اختیار کئے رکھی اور دشمن کے ایجنڈے کو پروان چڑھایا تو یقینی طور پر پاکستان کا مستقبل انتہائی بھیانک ہونے جا رہا ہے اور اگر آج اس قوم نے اپنی روش سیدھی کرلی اور ملک دشمن عناصر کی سرکوبی میں اپنی فوج اور موجودہ حکومت کا ساتھ دیا تو یہ ہمارے دشمن کے تابوت میں آخری کیل ہوگا۔

یہ مافیا مر گیا اور اسکے ایجنٹ مار دیئے گئے تو پاکستان کو دنیا کے مضبوط اور طاقتور ترین ملک بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔گزشتہ چند ہفتوں میں ہونے والی فوج کے خلاف عدالتی چارہ جوئی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی ملک دشمن ہمارے گریبان تک ہاتھ پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔جنرل باجوہ کی ایکسٹینشن کا مطلب ہے کہ پاکستان میں جاری کامیاب حکمت عملی کو تقویت دے کر اسکا تسلسل جاری رکھنا۔باجوہ ڈاکٹرئین کو اسکے منطقی انجام تک پہنچایا جانا ہی پوری قوم کی پالیسی ہونی چاہیئے۔جنرل باجوہ کی ڈاکٹرائین سے امریکہ سے لے کر بھارت کی کسی جھونپڑی میں بیٹھے ہندو انتہا پسند کو بھی خوف آتا ہے۔کرتارپورہ راہداری اس جنرل کی صرف ایک سویپ شاٹ ہے جسے روکنے کے لئے پورا بھارت بھی کھڑا ہوجائے تو چوکا نہیں رکنے والا... خالصتان تو بن کے ہی رہے گا۔۔اور یہ بن گیا تو کشمیر کی آزادی بھلا کیا مسئلہ ہے۔عقلمند کے لئے صرف راہداری ہی کافی ہے۔اب آجائیں مشرف کیس پر توجج صاحب جن کے قلم سے اب تک 102 دہشت گرد، میرے بچوں کے قاتل، میری ماوں کی کوکھ اجاڑنے والے، میری بہنوں کے سہاگ اجاڑنے والے، میرے نوجوانوں کی جان لینے والے، میری دھرتی کو جھنجھوڑنے والے، میرے وطن کے امن و امان کی تباہی نکالنے والے اور میری اگلی نسلوں سے انکا مستقبل چھیننے والے دہشت گرد باعزت بری ہو

گئے۔۔وہ آج ایک محب وطن، پاکستان کے لئے اپنی جان و مال کی پرواہ کئے بغیر لڑنے والے کمانڈو اور اس ملک کے لئے خود کئی بار دہشت گردی کا شکار ہونے والے، پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے بہت سے بہترین منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچانے والے لیڈر اور فوجی کو غدار ڈکلیئر کر دے اور اسے سزا ایسے سنائے کہ گویا اس نے پاکستان کا ایٹم بم بھارت کو بیچ دیا؟؟ لکھ دی لعنت اے۔۔۔ایسے انصاف پر، ایسے فیصلے پر اور ایسے منصف پر۔ایسے غدار نظام انصاف کو میں نہیں مانتا میں نہیں مانتا۔۔فوج کے خلاف نفرت انگیزی پھیلانے والے اس عدالتی مافیا کو اگر اس وقت چیک نہ کیا گیا تو یہ ہماری قومی یکجہتی اور امن کے لئے شدید خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔اس وقت ایک وقت میں دو فائر کئے ہیں اس عدالتی مافیا نے۔۔اگر اس کی وجہ سے جنرل باجوہ کی ایکسٹینشن رک جاتی ہے تو جنرل باجوہ ریٹائر ہو جاتے ہیں، یعنی دشمن کی سازش کامیاب۔ساتھ ہی انھوں نے جنرل مشرف کے خلاف انتہائی شرمناک فیصلہ سنا کر فوج اور بالخصوص کماڈوز کو تیش دلائی ہے۔اس کا مقصد بھی فوج میں تذبذب پھیلانا ہے اور اگر جنرل باجوہ صاحب اب بھی رویہ نرم رکھتے ہیں تو یہ فوج میں مزید انتشار کا باعث بن سکتا تھا، وہ تو بھلا ہو فوج کا کہ بروقت اپنا کنسرن شو کر دیا۔اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر فوج تپ کھا گئی تو مارشل لاء لگا دے گی۔جس کا براہ راست فائدہ ہمارے مافیا کو ہوگا کہ وہ سیاسی شہید بن کر واپسی کا راستہ ہموار کر لیں گے اور غداری کا سلسلہ وہیں سے جڑ جائے گا جہاں سے ٹوٹا تھا۔۔پوری دنیا میں بننے والے ہمارے امیج کی تباہی نکل جائے گی اور ہم آمریت کی چادر میں ایک بار پھر ریس میں پیچھے رہ جائیں گے۔ترقی ٹھس، سی پیک ٹھس اور پوری قوم بھی ٹھس۔۔ملک میں افراتفری پھیلانے کے لئے بھی وکلاء ہی سرگرم ہیں۔غرضیکہ قانون والے اب ڈنڈے والے کو خندک دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔میڈیا پوری طرح سے بکا ہوا ہے۔یعنی بادی النظر میں پاکستان مخالف تمام تر قوتیں یکجا ہو چکی ہیں اور فوج اور حکومت ان کے خلاف کھڑے ہیں۔عوام کی کثیر تعداد بھی فوج کے ساتھ ہے مگر بیشتر کنفیوز ہیں۔اس وقت حکومت کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے اور فوج کو سائیڈ پر رکھ کر اس مافیا کے ساتھ آئینی طور پر بھگتنا چاہئے۔تحمل اور برداشت سے چلیں مگر سست روی سے نہیں۔فیصلے بہت تیزی سے کرنے ہونگے اور ان پر عملدرآمد فوری ہونا چاہیے۔فوج کی طاقت کو اپنی سپورٹ بناتے ہوئے عمران خان کی قیادت میں حکومت کو بہت اہم اور بڑے فیصلے کرنے ہونگے۔پاکستان کی بقاء اور سالمیت ہمارے لئے اہم ہے، افراد نہیں۔دشمن دشمن ہی ہوتا ہے وہ چاہے اندر ہو یا باہر، لباس کیسا بھی ہو اسکا اور مقام کوئی بھی ہو۔۔اسے اب ویسے ہی لٹکانا ہوگا جیسے اس نے خود کہا ہے۔غدار کی ڈیفینیشن تو شاید اب کوئی گرمکھی نہیں ہے۔۔سب کو پتہ ہے۔۔سب کو خبر ہے۔۔عقلمندی سے سب کچھ سدھر گیا اور یہ شیش ناگ مار دیئے تو راوی بھی پانی سے بھر جائے گا اور ستلج میں بھی رونق آ سکتی ہے، بیاس بھی گیلا ہو سکتا ہے۔۔کیا نہیں ہو سکتا ہے۔بس ایک قدم صحیح سمت میں بڑھنے کی ضرورت ہے۔۔اٹھو بھائی عمران خان کہ اب وقت قیادت ہے آیا۔

اللہ اکبر۔پاکستان پائندہ باد، پاک فوج زندہ باد

اصل حل کیا ہے مسئلے کا- رجل خوشاب

کسی زمیندار کی بھینس نے دودھ دینا بند کر دیا، زمیندار بڑا پریشان ہوا اسے ڈاکٹر کے پاس لیکر گیا۔ڈاکٹر نے ٹیکے لگائے لیکن کوئی فرق نہ پڑا، تھک ھار کر وہ بھینس کو پیر کے پاس لے گیا، شاہ جی نے دُھونی رمائی، دم کیا، پھونک ماری لیکن وہ بھی بے سود رہی بھینس کو کوئی فرق نہ پڑا۔ اسکے بعد وہ بھینس کو کسی سیانے کے پاس لے گیا، سیانے نے دیسی ٹوٹکے لگائے لیکن وہ بھی بیکار ثابت ہوئے آخر میں زمیندار نے سوچا کہ شاید اس کا کھانا بڑھانے سے مسئلہ ٹھیک ہو جائے! خوب کھل بنولہ کھلایا، کسی چیز کی کسر نہ چھوڑی لیکن بھینس نے دودھ دینا شروع نہ کیا۔لاچار ہو کر وہ اسے قصائی کے پاس لیکر جانے لگا کہ یہ اب کسی کام کی نہیں تو چلو ذبح ہی کروا لوں۔راستے میں اسے ایک سائیں ملا۔

سائیں بولا پریشان لگتے ہو۔زمیندار نے اپنی پریشانی بیان کی، سائیں نے کہا تم کٹا کہاں باندھتے ہو؟ زمیندار بولا اس کی کھُرلی کے پاس۔سائیں نے پوچھا: کٹے کی رسی کتنی لمبی ہے؟ زمیندار بولا: کافی لمبی ہے! سائیں نے اونچا قہقہہ لگایا اور بولا سارا دودھ تو کٹا چُنگ جاتا ہے! تمھیں کیا ملے گا، کٹے کو بھینس سے دور باندھو!۔قومی اسمبلی اور سینیٹ کی 50 کمیٹیاں ہیں اور ھھر کمیٹی کا ایک چیئرمین ہے۔ہر چیئرمین کے ذاتی دفتر کی تیاری پر دو دو کڑور روپے خرچ ہوئے ہیں۔ہر چیئرمین ایک لاکھ ستر ہزار روپے ماہانہ تنخواہ لیتا ہے۔اسے گریڈ 17 کا ایک سیکرٹری، گریڈ 15 کا ایک سٹینو، ایک نائب قاصد، 1500cc گاڑی 600 لیٹر پٹرول ماہانہ، ایک رہائش۔رہائش کے سارے اخراجات بل وغیرہ اسکے علاوہ ملتے ہیں! اسکے علاوہ اجلاسوں پر لگنے والے پیسے، دوسرے شہروں میں آنے جانے کیلئے فری جہاز کی ٹکٹ۔ایک اندازے کے مطابق یہ کمیٹیاں اب تک کھربوں روپوں کا دودھ ''چُنگ'' چکی ہیں!۔اگر ان کٹوں کی رسی کو چھوٹا نہ کیا گیا تو یہ اجلاس اسی طرح جاری رہیں گے اور یہ کٹے ایسے ہی، کھربوں روپوں کا دودھ ''چُنگتے'' رہیں گے! کیا پیٹ پر پتھر باندھنے اور کفایت شعاری کیلئے اقوال زرّیں صرف عوام کیلئے ہیں؟۔

***

ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف ۔۔۔ !

بات نہ ہندو کی ہے نا مسلمان کی۔ بات تو ہے انسان کی۔ بچپن سے لے کر آج تک ہمیں یہی سکھایا گیا اور یہی پڑھایا گیا۔ ہم نے اسی بات پر بھروسہ کر کے دنیا والوں تک ہمیشہ امن اور شانتی کا پیغام پہنچایا۔ کسی بھی ذات یا دھرم کے لوگ ہوں سبھوں کو انسان کے رُوپ میں دیکھا اور اس کے ذات اور دھرم کو بالائے طاق رکھ کر اس کے ساتھ کھایا پیا، گلے لگایا، اس کے دکھ سکھ میں ہاتھ بٹایا۔ جب بھی کسی نے انسان اور انسانیت کے خلاف آواز اٹھائی تو ہم نے اس کا منھ توڑ جواب دیا۔ کیونکہ ہم ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے جہاں انسان انسان کی قدر کرنا جانتا ہے۔ اس کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے، اس کے دکھ سکھ میں کام آتا ہے، اسے گلے لگاتا ہے۔ جب بات قربانی کی آتی ہے تو جان تک کی قربانی دینے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ جی ہاں میں ہندوستان کی ہی بات کر رہا ہوں۔ اس ہندوستان کی جسے کسی نے امن اور شانتی کی دھرتی مانا تو کسی نے اسے سونے کی چڑیا، کسی نے اسے انسان کو انسان سے جوڑنے والے صوفی اور سنتوں کا دیس کہا تو کسی نیا س کی دھرتی پر رہنے والوں کو بھگوان کا روپ دیا۔ کسی نے اس کو پاک زمین مانا تو کسی نے اسے رشی سادھو کا بسیرا مانا ہے تو کسی نے اسے نانک کا دیش مانا ہے۔ گویا تمام مذاہب اور فرقے کے لوگوں نے ہندوستان سے نہ صرف بے پناہ محبت کی ہے بلکہ اس کی خوشبو سے اپنے گھروں کو مہکایا ہے۔ اس کی ہریالی سے دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ ہندوستان میں پچھلے کئی مہینے سے ایک بحث چھڑی ہوئی ہے جس کا ردعمل اب عام لوگوں اور خاص کر مسلمانوں میں کافی دیکھا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان این آر سی اور سی اے بی کے خلاف سخت احتجاج کر رہے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ قوانین غیر قانونی تارکین وطن کی شناخت کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں کے اندر خوف و ہراس پیدا کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے پچھلے چند دنوں سے پورے ہندوستان میں بے چینی پائی جارہی ہے۔ زیادہ تر شہروں میں احتجاج ہو رہے ہیں تو وہیں اتوار 15 دسمبر کو دلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلبا اور طالبات پر پولیس نے زبردست بربریت کا ثبوت دیتے ہوئے پوری دنیا کو سکتے میں ڈال دیا۔ اس کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی کے طالب علموں پر بھی پولیس بے رحمی سے ٹوٹ پڑی جس سے کئی طلبا زخمی ہو گئے۔ اسی طرح حیدرآباد میں بھی مولانا آزاد نیشنل اردو یونورسٹی کے طلبا نے بھی زبردست مظاہرہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پولیس کی بربریت کے خلاف کلکتہ، بنارس، ممبئی ہی نہیں بلکہ ملک کے بیشتر شہروں کی یونورسٹیوں کے طلبہ و طالبات کے ساتھ ہندوستان کے عام شہری بھی مظاہرہ کر رہے ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی وائس چانسلر اور پراکٹر نے پولیس کی زیادتی کی پر زور مذمت کی ہے اور معاملے کی اعلیٰ سطح پر انکوائیری کی مانگ کی ہے۔ ایسا مانا جارہا ہے کہ کچھ باہر کے لوگوں نے جامعہ کے طالب علموں کو بدنام کرنے کے لیے بسوں میں آگ لگائی اور ہنگامہ برپا کیا۔ تاہم ایسے کئی ویڈیو سامنے آئے ہیں جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ پولیس یونیورسٹی کیمپس میں بغیر اجازت داخل ہو کر طلبہ و طالبات پر نہ صرف ظلم ڈھایا بلکہ یونیورسیٹی کی لائبریری میں مطالعہ کر رہے طالب علموں پر لاٹھی اور ڈنڈوں کے ساتھ ساتھ گالیوں کی بوچھار کی۔ بے قصور طالب علم اپنی جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کی تو آنسو گیس کے گولے داغے گئے تاکہ وہ بھاگ بھی نہ پائیں۔ لندن سمیت پوری دنیا میں ہندوستانی طلباء اور شہریوں کے مظاہرے کی حمایت اور پولیس بربّریت کے خلاف آواز اُٹھائی جارہی ہے۔ کئی ممالک میں مظاہرے ہو رہے ہیں تو کئی سیاستدانوں نے ہندوستانی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور کئی ممالک نے اپنا سرکاری دورہ ردّ کر دیا ہے۔ سوشل میڈیا کے علاوہ خبروں میں بھی ہندوستان میں ہو رہے مظاہروں کا مسلسل ذکر ہو رہا ہے اور اس بات پر تشویش بھی جتائی جارہی ہے کہ ہندوستانی حکومت کیوں ایک خاص مذہب کے لوگوں کو اپنا نشانہ بنا رہی ہے۔ وزیر داخلہ امیت شاہ نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا ہے کہ سی اے بی کسی شہری کے ساتھ مذہب یا نسل کی بنیاد پر کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا استعمال ان کے خلاف کیا جائے گا لیکن پارلیمنٹ میں پاس ہونے والے اس قانون کے تحت بنگلہ دیش، پاکستان، اور افغانستان سے مذہبی بنیادوں پر پریشان اور استحصال کی وجہ سے ہندوستان آنے والے

ہندو، سکھ، جین، بودھ، پارسی اور عیسائیوں کو ہندوستان کی شہریت فراہم کی جائے گی۔ اس میں تمام دوسرے مذاہب کا ذکر ہے سوائے مسلمانوں کے جس کی وجہ سے مسلمان کافی ناخوش ہیں اور انہیں ڈر ہے کہ اس ایکٹ کے تحت لاکھوں مسلمانوں کو دانستہ طور پر شہریت سے بے دخل کر دیا جائے گا۔ ان کا یہ خدشہ بالکل جائز ہے کیوں کہ یہاں سرکار کی نیت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ مجھے ہندوستانی حکومت کے اس روّیے سے حیرانی کم اور تشویش زیادہ ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تمام مذہب کے لوگوں کو ہندوستان میں شہریت فراہم کرنے کا اعلان کیا جا رہا ہے لیکن وہیں مسلمانوں کو اس قانون میں شامل نہ کر کے ہندوستان کے سیکولر ڈھانچے کو کمزور کیوں کیا جا رہا ہے؟ ہندوستان کی ہندو اکثریت والے ملک میں کس طرح ہندوستانی حکومت مسلمانوں کو اقلیتی طبقہ نہیں مانتا یہ ایک عجیب وغریب بات ہے۔ نریندر مودی جیسا متنازعہ وزیر اعظم ہندوستان نے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ نریندر مودی کے وزیر اعظم بننے کے بعد ہندوستان کی سیاست میں ایک عجیب سی نفرت کی فضا قائم ہوگئی ہے۔

آئے دن اقلیتی طبقہ اور مسلمانوں میں خوف و ہراس بڑھنے لگا ہے۔ کبھی گائے کے خرید و فروخت میں مسلمانوں کو مارا گیا تو کبھی محض مسلمان ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ ان تمام واقعات پر وزیر اعظم نریندر مودی کا کوئی ٹھوس بیان جاری نہیں ہوا۔ جس سے ہر ذی شعور انسان میں بے چینی پائی جانے لگی۔ نریندر مودی ہر اس انسان کو ملک کا دشمن کہہ رہے ہیں جو یا تو ان سے سوال کرے یا ان کی پالیسی پر نکتہ چینی۔ لیکن نریندر مودی کے جسم کی چمڑی اتنی سخت ہے کہ مجھے نہیں لگتا کہ ان پر ان باتوں کا کوئی اثر ہوگا۔ ہندوستانی میڈیا تو بکا ہوا ہے ہی لیکن اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہندوستانی عوام نے بھی اس کی حمایت سے زیادہ اپنی جان بچانے کے لیے خاموش ہے۔ مودی نے اپنے جارحانہ مذہبی نفرت والی پالیسی سے ملک کی فضا کو زہر آلود کر رکھا ہے۔ مودی کے قریبی ساتھی امیت شاہ جو اس قانون کے مکھیا ہیں، ان کا روّیہ بھی مسلمانوں کے تئیں نہ صرف مشکوک بلکہ جارحانہ ہے۔ اگر آپ پچھلے پانچ برسوں کا جائزہ لیں تو آپ کو ہندوستان میں صرف نفرت، مہنگائی، بے روزگاری، نوٹ بندی کی مار، کسانوں کا برا حال، ملک کی اقتصادی سست رفتاری، مذہبی جنون، کشمیر کے بگڑتے حالات، گنگا ندی کی بڑھتی ہوئی گندگی، عورتوں کی بے حرمتی، عصمت دری وغیرہ ایسی باتیں ہیں جس سے نریندر مودی بچ نہیں سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک جتنی بھی الیکشن ریلی ہوئی ہیں وہاں نریندر مودی اپنے پانچ برسوں کے کارنامے کو نہ بتا کر کبھی مذہبی تناؤ پیدا کر رہے ہیں تو کبھی پاکستان کو سبق سکھانے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ ہندوستان کی کئی ریاستوں نے مرکزی حکومت کی شہریت (ترمیم) قانون کو نافذ کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تاہم ماہر قانون دانوں نے اس قانون کے خلاف عدالت کا بھی دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ ماہرِ تعلیم سے لے کر ہر طبقے کے لوگ اس قانون کی مخالفت کر رہے ہیں اور ہندوستان کے علاوہ دنیا کے مختلف ملکوں نے بھی ہندوستانی حکومت پر اُنگلیاں اُٹھانی شروع کر دی ہیں۔ کئی ریاستوں کے وزیر اعلیٰ نے مرکزی حکومت کے اس قانون کو اپنی ریاست میں نافذ نہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہندوستانی حکومت کی شہریت (ترمیم) قانون کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ قانون مسلمانوں کو نشانہ بنانے کے لئے بنایا گیا ہے۔ جو کہ ہندوستان کے سیکولرزم پر ایک زبردست چوٹ ہے۔ میں ہندوستان کے تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جمہوری اور پر امن طریقے سے اس قانون کے خلاف مظاہرہ جاری رکھیں جب تک کہ حکومت اس میں تبدیلی نہ لائے اور اس قانون میں دیگر مذاہب کے ساتھ اسلام مذہب کا بھی نام شامل نہ کرے۔

ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف
گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی سہی

صابر ظفر

کیا خبر لوٹ کر پھر کبھی میں نہ آؤں یہاں الوداع
آج تجھ میں مری آخری رات ہے اے مکاں الوداع
رات ڈھلنے کو ہے دن نکلنے کو ہے رت بدلنے کو ہے
اس سے پہلے کہ دنیا رکاوٹ بنے درمیاں الوداع
پھول کھلنے کے دن، زخم سلنے کے دن، اس سے ملنے کے دن
اب قریب آ گئے ہیں تو اے فصل نامہرباں الوداع
دن نکلتے ہی تجھ سے جدا کر رہا ہے غم روزگار
پھر صدا دے رہا ہے مجھے چمنیوں کا دھواں الوداع
کوچ کرنے سے پہلے دعا کر رہا ہوں کہ وہ بھی ظفر
شہر والوں کے ہمراہ آ کر کہے میری جاں الوداع

جستہ جستہ

عطاءالقادر طاہر

کرتوت اُمت

انتہائی افسوسناک واقعہ پیش آیا ہے۔سبق یاد نہ ہونے پر مدرسہ کے مولوی نے 5 سالہ معصوم بچے کی جان لے لی۔۔۔پنڈی بھٹیاں کے علاقے میں ایک یتیم بچے کی سبق یاد نہ ہونے کی وجہ سے درندہ صفت مولوی نے مار مار کر جان لے لی بچے کی بیوہ والدہ نے کہا ہے کہ میرا بیٹا پچھلے تین دن سے بہت بیمار تھا جیسے ہی کچھ ٹھیک ہوا تو مجھے کہا امی میں آج مدرسے جاؤں گا استاد صاحب بہت ڈانٹتے ہیں۔میں نے روانہ کیا ابھی مشکل سے ایک گھنٹہ ہی گزرہ ہوگا ساتھ والے گھر کا ایک بچہ مدرسے سے بھاگتا ہوا آیا اور کہا کہ آپ کے بیٹے کو استاد نے بہت مارا ہے۔مجھے استاد نے کہا ہے کہ جاؤ اس کی ماں کو بلالاؤ یہ بہانہ کررہا ہے جب میں وہاں بھاگتی ہوئی پہنچی تو میرا بچہ مجھے زمین پر پڑا ہوا ملا جب میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر اٹھانے کی کوشش کی تو میرے ہاتھ گیلے ہونے لگے کمر سے کپڑا ہٹایا تو بچے کی کمر خون سے لت پت تھی میری زمین پاؤں سے نکل گئی ہائے افسوس ہائے افسوس میرا ایک ہی بچہ تھا اور وہ بھی ظالم انسان نے بے رحمی سے قتل کردیا۔روتے ہوئے ماں نے انصاف کی اپیل کی ہے ماں کے مدعی بننے پر علاقے کے سردار نے صلح کے لیے اس بیوہ عورت کو دھمکی دی ہے کہ چپ چاپ صلح نامہ کردو justice_for_this_Orphan_child ہم گندی گندی ویڈیو اور فالتو پوسٹ تو شیئر کرتے ہیں کیا ہی اچھا ہوگا جو اگر اس پوسٹ کو 10 گروپ میں شیئر کریں تاکہ حکمران بالا تک یہ بات پہنچ جائے اور وہ اس کا نوٹس لیں اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے یتیم بچے کے انصاف کے لیے اس کی آواز بن کر شیئر کریں تاکہ ایک بیوہ عورت کو انصاف مل سکے درندہ صفت قاتل اور اس کو بچانے والے کیفر کردار تک پہنچ جائیں۔اللہ پاک جزائے خیر دے آمین۔

فجا میراثی بیمار ہوگیا

گاؤں کے ڈاکٹر محمود علی کے پاس گیا تو اس نے بہت زیادہ فیس مانگی۔بڑی منتیں کرنے پر بھی ڈاکٹر نے اسے رعایت نہ دی اور پورے پیسے لئے۔جب وہ صحت یاب ہوگیا تو ڈاکٹر کی زیادتی پر بہت زیادہ غصہ آیا اس نے ڈاکٹر کا ایک قصہ بنایا اور گاؤں کی چوپال میں سنانے لگ گیا میراثی کہنے لگا کہ جب میں بیمار ہوا تھا اور ڈاکٹر محمود علی سے علاج کروا رہا تھا تو میں نے خواب دیکھا کہ میں مرگیا ہوں اور مرکر اوپر پہنچ گیا ہوں۔وہاں بہت سے لوگ جو اس دن فوت ہوئے تھے پہنچے ہوئے تھے۔وہاں پر جنتیوں اور دوزخیوں کے ناموں کی لسٹ لگی ہوئی تھی لوگ اپنا نام پڑھ پڑھ کر جنت اور دوزخ میں جارہے تھے، میں بھی لسٹ کی طرف گیا، مجھے پتہ تھا کہ میں نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا اس لیے میں نے دوزخ والی لسٹ میں اپنا نام تلاش کرنا شروع کیا تو مجھے اپنا نام فجا میراثی کہیں بھی نظر نہ آیا، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میں دوزخی نہیں ہوں اب میں خوشی خوشی جنتیوں والی لسٹ پڑھنے لگا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میرا نام وہاں بھی موجود نہیں، میں بہت پریشان ہوا اسی پریشانی میں مجھے گاؤں کے چوہدری صاحب ملے جو کافی عرصہ پہلے فوت ہوگئے تھے۔

انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا اوئے فجے میراثی تم یہاں کیا کررہے ہو۔میں نے انہیں سارا ماجرا بتایا کہ میں آج ہی مرکر یہاں آیا ہوں لیکن میرا نام نہ جنت والوں کی لسٹ میں ہے اور نہ دوزخ والوں کی میں بہت پریشان ہوں۔۔۔چوہدری جی نے کہا اوئے فجے تم بھی گاؤں کے ڈاکٹر محمود سے علاج تو نہیں کروایا، وہ وقت پورا ہونے سے چارسال پہلے ہی بندہ ماردیتا ہے، مجھے خود دوسال ہوگئے باہر پھرتے ہوئے ابھی تک میرا نام لسٹ میں نہیں آیا۔۔

تجربہ

میری 27 سالہ زندگی کا نچوڑ ہے جتنے بھی آپ تنگ ہو چار چیزیں مت کرنا ایک کسی کے ساتھ مشترکہ کاروبار مت کرنا چاہے آپ کا بھائی یا کوئی بھی رشتہ ہی کیوں نا ہو دوسرا جتنے بھی آپ تنگ ہو باہر ملک جاب کے لیے مت جانا مسلم ممالک میں تو بھول کر بھی مت جانا تیسرا اگر آپ صرف سادہ تعلیم ایف اے بی اے ہی کرنا چاہتے ہیں تو ان پر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ میٹرک کرتے ہی کوئی چھوٹا سا کاروبار شروع کردیں کاروبار کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ ایف اے بی اے کر سکتے ہیں اگر کاروبار کے لیے بالکل بھی پیسے نہیں ہے تو آپ مارکیٹنگ کا کام شروع کردیں آپ ہول سیل کی مارکیٹ سے مختلف چیزیں لے اور ایک کلومیٹر کے اندر اندر جتنی دکانیں آتی ہے سب پر جائے مارکیٹنگ کریں اور چیزیں بیچ دیں اگر آپ ایک فریش اپ بل کے

پیکٹ ہی دکان والوں کو سیل کرنا شروع کر دیں تو یہی کام آپ کو بہت ہوجانا جتنا عرصہ آپ نے ایف اے بی اے کرنے میں ضائع کرنا ہے اتنے میں آپ کا مارکیٹ میں ایک نام اور ایک پہچان بن جاتی ہے اپنا اخلاق اچھا کرلو اپ مارکیٹنگ کی دنیا کے بادشاہ بن جاؤ گے اور آپ بہت جلد ہی ایک بہترین تاجر بن کر اُبھرو گے جب ایف اے بی اے کر کے نوجوان نوکری کے لیے دھکے کھا رہے ہونگے جب وہ پندرہ بیس ہزار کی نوکری کو ترس رہے ہونگے اُس وقت آپ اپنے کاروبار کے مالک بن کر سفید کپڑے پہن کر اُن سے ہزار درجہ بہتر زندگی گزار رہے ہونگے ایک بات یاد کرنا دنیا میں کوئی بھی انسان جاب سے امیر نہیں بنا جو بھی بنا اپنے کاروبار سے بنا۔

چار: آپ شرم چھوڑ دیجیے یہ مت سوچیے لوگ کیا کہیں گے کوئی بھی اپنا چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے شرم مت کرنا لوگ تو صرف باتیں ہی کرتے ہیں ضرورت کے وقت کوئی کام نہیں آتا لہذا لوگوں کی پرواہ مت کریں وقت کو ضائع مت کریں یہ باتیں میری 27 سالہ زندگی کا نچوڑ ہے بہت دھکے کھائے یاد رکھو وقت پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھتا آج اگر آپ جاب کی تلاش میں وقت ضائع کر رہے ہیں تو چھوٹے سا اپنا کام کرنے سے شرماتے ہیں تو کل یہی وقت آپ کو ضائع کر دے گا۔۔

اشفاق احمد کہتے ہیں:

کرم کا فارمولا تو کوئی نہیں اُس کرم کی وجہ ڈھونڈو۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے جب بھی کوئی ایسا شخص دیکھا جس پر ربّ کا کرم تھا، اُسے عاجز پایا۔ پوری عقل کے باوجود بس سیدھا سا بندہ۔ بہت تیزی نہیں دکھائے گا۔ اُلجھائے گا نہیں۔ رستہ دے دے گا۔ بہت زیادہ غصّہ نہیں کرے گا۔ سادہ بات کرے گا۔ میں نے ہر کرم ہوئے شخص کو مخلص دیکھا اخلاص والا۔۔۔ غلطی کو مان جاتا ہے۔ معذرت کر لیتا ہے۔ سرنڈر کر دیتا ہے۔ جس پر کرم ہوا ہے ناں، میں نے اُسے دوسروں کے لئے فائدہ مند دیکھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کی ذات سے نفع ہو رہا ہو، اور اللہ آپ کے لئے کشادگی کو روک دے۔ وہ اور کرم کرے گا۔ میں نے ہر صاحبِ کرم کو احسان کرتے دیکھا ہے۔ حق سے زیادہ دیتا ہے۔ اُس کا درجن 13 کا ہوتا ہے، 12 کا نہیں۔ اللہ کے کرم کے پہیے کو چلانے کے لئے آپ بھی درجن 13 کا کرو اپنی زندگی میں۔ حساب پہ چلو گے تو حساب ہی چلے گا دل کے کنجوس کے لئے کائنات بھی کنجوس ہے۔ دل کے سخی کے لئے کائنات خزانہ ہے۔ جب زندگی کے معاملات اُڑ جائیں۔ سمجھ جاؤ تم نے دوسروں کے معاملات اُڑائے ہوئے ہیں۔ آسانیاں دو۔ آسانیاں ملیں گی۔

وکلاء بھی کبھی انسان تھے...

کسی نے درست کہا تھا کہ ایک انسان کو وکیل بنانے میں کئی سال اور لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں لیکن دوبارہ وکیل کو انسان بنانے میں ساری عمر لگ جاتی ہے۔ آج وکلاء کے ہسپتال پر حملہ اور ان کی غنڈہ گردی کے نتیجے میں قیمتی جانوں کا ضیاع بربریت اور حیوانیت کی بدترین مثال ہے اور ریاست کی رِٹ کو کھلا چیلنج ہے۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ ستم ظریفی کی انتہاء یہ ہے کہ اب ان چند سو بھٹکے ہوئے شر پسند وکلاء کے خلاف مقدمہ درج کر بھی لیا جائے تو ایسے مقدمات کبھی کسی منطقی انجام تک نہیں پہنچتے۔ کیونکہ جج بھی ان کے اور وکیل بھی انکے اپنے۔ عوام کا مطالبہ! لاہور ہسپتال پہ حملہ کرنے والے تمام دہشت گرد وکلا کا لائیسنس تا حیات منسوخ کیا جائے۔

چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ و سپریم کورٹ ان دہشتگرد وکلاء کو ہر صورت انصاف کے کٹہرے میں لائیں اور ان کو عبرت کا نمونہ بنائیں۔ نہیں تو وہ وقت اب دور نہیں جب عوام انقلابِ فرانس کی طرح اس نظام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور اس نظام کے تمام ناخداؤں کو حقیقی عوامی انصاف کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

میں اپنا اور سبھی کا رنج و غم محسوس کرتا ہوں
جہاں بھی ہو، ستمگر کا ستم محسوس کرتا ہوں
ہمیشہ دیکھتا رہتا ہوں اُس میں جلوۂ جاناں
میں اپنے دل کو مثلِ جامِ جام محسوس کرتا ہوں
مٹانے پر تلے ہیں صفحۂ ہستی سے جو مجھ کو
میں ان کا ظلم بھی باچشمِ نم محسوس کرتا ہوں
دعا کرتا ہوں اُن کے حق میں اُن کی سرفرازی کی
کرم کرتے ہیں جو اُن کا کرم محسوس کرتا ہوں
خدا نے مجھ کو بخشا ہے دلِ درد آشنا برقی
جو ہیں مغموم اُن کا درد و غم محسوس کرتا ہوں

جسٹس کھڑک سنگھ... کا کھڑاک

(ڈاکٹر سید حفیظ الرحمن)

جسٹس کھڑک سنگھ پٹیالہ کے مہاراجہ کے ماموں تھے۔ایک لمبی چوڑی جاگیر کے مالک تھے۔ جاگیرداری کی یکسانیت سے اکتا کے اک دن بھانجے سے کہا، تیرے شہر میں سیشن جج کی کرسی خالی ہے۔(اس دور میں سیشن جج کی کرسی کا آرڈر انگریز وائسرائے جاری کرتے تھے) تو لاٹ صاحب کے نام چٹھی لکھ دے اور میں سیشن ججی کا پروانہ لے آتا ہوں۔مہاراجہ سے چٹھی لکھوا کے مُہر لگوا کر ماموں لاٹ صاحب کے سامنے حاضر ہو گئے۔وائس رائے نے پوچھا، نام بولے، کھڑک سنگھ تعلیم؟ بولے کیوں سرکار؟ میں کوئی اسکول میں بچے پڑھانے کا آرڈر لینے آیا ہوں۔وائس رائے ہنستے ہوئے بولے سردار جی! قانون کی تعلیم کا پوچھا ہے۔

آخر آپ نے اچھے بروں کے درمیان تمیز کرنی ہے، اچھوں کو چھوڑنا ہے، بُروں کو سزا دینی ہے۔کھڑک سنگھ مونچھوں کو تاؤ دے کر بولے، سرکار اتنی سی بات کے لئے گدھا بھر وزن کی کتابوں کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کام میں برسوں سے پنچائت میں کرتا آیا ہوں اور ایک نظر میں اچھے بُرے کی تمیز کر لیتا ہوں۔وائس رائے نے یہ سوچ کر کہ اب کون مہاراجہ اور مہاراجہ کے ماموں سے اُلجھے، جس نے سفارش کی ہے وہی اسے بھگتے۔ درخواست لی اور حکم نامہ جاری کر دیا۔اب کھڑک سنگھ جسٹس کھڑک سنگھ بن کر پٹیالہ تشریف لے آئے۔خدا کی قدرت پہلا مقدمہ ہی جسٹس کھڑک سنگھ کی عدالت میں قتل کا آ گیا۔ایک طرف چار قاتل کٹہرے میں کھڑے تھے، دوسری طرف ایک روتی دھوتی عورت سر کا دوپٹہ گلے میں لٹکائے کھڑی آنسو پونچھ رہی تھی۔جسٹس کھڑک سنگھ نے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے دونوں طرف کھڑے لوگوں کو اچھی طرح دیکھ لیا۔اتنے میں پولیس آفیسر آگے بڑھا، جسٹس کھڑک سنگھ کے سامنے کچھ کاغذات رکھے اور کہنے لگا، مائی لارڈ! یہ عورت کرانتی کور ہے اور اس کا کہنا ہے کہ ان چاروں نے مل کر اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے خاوند کا خون کیا ہے۔کیوں مائی؟ جسٹس کھڑک سنگھ نے پولیس افسر کی بات بھی پوری نہیں سنی اور عورت سے پوچھنے لگے کیسے مارا تھا؟ عورت بولی، سرکار جو دائیں طرف کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں برچھا تھا، درمیاں والا کسی لے کر آیا تھا اور باقی دونوں کے ہاتھ میں لاٹھیاں تھیں۔یہ چاروں کماد کے اولے سے اچانک نکلے اور مارا ماری شروع کر دی ان ظالموں نے میرے سر کے تاج کو جان سے مار دیا۔جسٹس کھڑک سنگھ نے مونچھوں کو تاؤ دے کر غصے سے چاروں ملزموں کو دیکھا اور کہا کیوں بھئی، تم نے بندہ مار دیا؟ نہ جی نہ میرے ہاتھ میں تو بیلچہ تھا کسی نہیں، ایک ملزم بولا۔دوسرا ملزم بولا جناب میرے پاس برچھا نہیں تھا ایک سوٹی کے آگے درانتی بندھی تھی پتے...جھاڑنے والی جسٹس کھڑک سنگھ بولے چلو، جو کچھ بھی تمھارے ہاتھ میں تھا وہ تو مر گیا نا۔ پر جناب ہمارا مقصد تو نہ اسے مارنا تھا، نہ زخمی کرنا تھا۔تیسرا ملزم بولا۔جسٹس کھڑک سنگھ نے کاغذوں کا پلندہ اپنے آگے کیا اور فیصلہ لکھنے ہی لگے تھے کہ ایک دم سے عدالت کی ایک کرسی سے کالے کوٹ والا آدمی اُٹھ کر تیزی سے سامنے آیا، اور بولا، مائی لارڈ آپ پوری تفصیل تو سُنیں۔میرے یہ مؤکل تو صرف اسے سمجھانے کے لئے اس کی زمین پہ گئے تھے۔ویسے وہ زمین بھی ابھی مرنے والے کے نام منتقل نہیں اس کے مرے باپ سے ان کے ہاتھوں میں تو صرف ڈنڈے تھے، ڈنڈے بھی کہاں وہ تو کماد سے توڑے ہوئے گنے تھے ... ایک منٹ...جسٹس کھڑک سنگھ نے کالے کوٹ والے کو روکا اور پولیس افسر کو بُلا کر پوچھا یہ کالے کوٹ والا کون ہے؟ سرکار یہ وکیل ہے، ملزمان کا وکیل صفائی، پولیس افسر نے بتایا۔یعنی یہ بھی انہی کا بندہ ہوا نا جوان کی طرف سے بات کرتا ہے، جسٹس کھڑک سنگھ نے وکیل سے کہا ادھر کھڑے ہو جاؤ قاتلوں کے ساتھ اتنی بات کی اور کاغذوں کے پلندے پر ایک سطری فیصلہ لکھ کر دستخط کر دیئے۔جسٹس کھڑک سنگھ نے فیصلہ لکھا تھا کہ چار قاتل اور پانچواں ان کا وکیل، پانچوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔پٹیالے میں تھرتھلی مچ گئی، اوئے بچو، کھڑک سنگھ آ گیا ہے جو قاتل کے ساتھ وکیل کو بھی پھانسی دیتا ہے۔کہتے ہیں جب تک جسٹس کھڑک سنگھ سیشن جج رہے، پٹیالہ ریاست میں کوئی قتل نہیں ہوا۔

***

اقبال شیدائی

بکھرے دانوں کو عطا تنظیم کرتے جائیں گے
اِتحاد و امن کی تعلیم کرتے جائیں گے

وہ سُناتے جائیں گے ہر دن نئی ہم کو سزا
سر جُھکا کر ہم اُسے تسلیم کرتے جائیں گے

آپ نے چھوڑے ہیں جتنے بھی ادھورے کام سب
سلسلے سے اُن کی ہم تتمیم کرتے جائیں گے

خیر کی لاٹھی ہمارے ہاتھ میں ہے اِس سے ہم
شر کے نیزوں کو سبھی دو نیم کرتے جائیں گے

جب تلک اقبالؔ شیدائی ہے ہاتھوں میں قلم
ہم صحیفے پیار کے ترقیم کرتے جائیں گے

محبت بھی ایک دھوکہ ہے

عاصی صحرائی

جیتے جی کوئی ایک روپیہ بھی نہ دیتا تھا۔مرگئی تو شہر بھر کو چھٹی دے دی

ڈاکٹر سیدہ رفعت سلطانہ ایک پڑھے لکھے کھاتے پیتے گھرانے سے تھیں... لندن اور جرمنی میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی پاکستان میں آ کے ڈاکٹری کی خدمت کے فرائض انجام دیئے...محبت میں پڑ گئی تو ڈاکٹر صاحب سے شادی کرلی۔زیادہ میں بھی نہیں جانتی بس جو شہر کے لوگوں سے سنا وہ بیان کررہی ہوں۔...ڈاکٹر صاحب نے وقت گزرنے کے بعد ایک اور شادی کرلی...اور مرحومہ ڈاکٹر سیدہ رفعت سلطانہ کی ساری جائیداد اپنے نام کروالی...رفعت بی بی کو کسی چیز کی کمی تو نہیں تھی...سوائے محبت کے۔مگر ڈاکٹر صاحب سے انہیں وہ محبت بھی نہ ملی...ڈاکٹر صاحب اپنی دوسری بیوی کو لے کے یورپ میں شفٹ ہوگئے...رفعت سلطانہ کی حالت غیر ہورہی تھی...پھر ایک دن فون پہ رابطہ ہوا یا خط موصول ہوا...خدا بہتر جانتا ہے...مگر ڈاکٹر سیدہ رفعت سلطانہ کو طلاق مل گئی۔اور انہیں ایک جملہ کہا گیا کہ میں تمہیں اتنا کنگال کر آیا ہوں کہ اب تم ایک ایک روپے کو بھی ترسو گی...بس جب سے ہوش سنبھالی راولپنڈی سے قریب اٹھائیس کلومیٹر دور ایک خوبصورت شہر واہ کینٹ میں رفعت سلطانہ کو بھیک مانگتے دیکھا...زندگی کے تقریباً بیس سال انہیں اپنی آنکھوں سے بھیک مانگتے دیکھا...مرحومہ کی ایک ہی صدا ہوتی تھی۔ایک روپیہ دے دیں۔ساتھ ہی دوسری صدا لگتی پلیز گیو می ون روپی Pl give me one rupee اگر کوئی پانچ روپے دیتا تو مرحومہ پرس میں سے چار روپے نکال کے واپس کر دیتی۔اور بولتی۔بس ایک روپیہ ہی چاہیئے۔پھر ایک دن خبر ملی کہ ایک روپے والی آنٹی انتقال کر گئی۔بہت دکھ ہوا...شہر کے سکولز کو چھٹی دے دی گئی...دکانیں بند کر دی گئیں۔پروٹوکول ایسا تھا کہ مرحومہ پی او ایف ہوٹل میں بھی چائے پینے چلی جاتی تھی۔

تلخ حقیقت ایک آدمی سے کسی نے پوچھا کہ آج کل اتنی غربت کیوں ہے؟

جواب...میرے خیال میں آج اتنی غربت نہیں جتنا شور ہے۔آجکل ہم جس کو غربت بولتے ہیں وہ دراصل خواہش پورانہ ہونے کو بولتے ہیں۔ہم نے تو غربت کے وہ دن بھی دیکھے ہیں کہ اسکول میں تختی پر (گاچی) کے پیسے نہیں ہوتے تھے تو (سواگہ) لگایا کرتے تھے۔(سلیٹ) پر سیاہی کے پیسے نہیں ہوتے تھے (سیل کا سکہ) استعمال کرتے تھے۔اسکول کے کپڑے جو لیتے تھے وہ صرف عید پر لیتے تھے۔اگر کسی شادی بیاہ کے لیے کپڑے لیتے تھے تو اسکول کلر کے ہی لیتے تھے۔کپڑے اگر پھٹ جاتے تو سلائی کر کے بار بار پہنتے تھے۔جوتا بھی اگر پھٹ جاتا بار بار سلائی کرواتے تھے۔اور جوتا سروس یا باٹا کا نہیں پلاسٹک کا ہوتا تھا۔گھر میں اگر مہمان آجاتا تو پڑوس کے ہر گھر سے کسی سے گھی کسی سے مرچ کسی سے نمک مانگ کر لاتے تھے آج تو ماشاءاللہ ہر گھر میں ایک ایک ماہ کا سامان پڑا ہوتا ہے۔مہمان تو کیا پوری بارات کا سامان موجود ہوتا ہے۔آج تو اسکول کے بچوں کے ہفتے کے سات دنوں کے سات جوڑے استری کر کے گھر رکھے ہوتے ہیں روزانہ نیا جوڑا پہن کر جاتے ہیں آج اگر کسی کی شادی پہ جانا ہو تو مہندی بارات اور ولیمے کے لئے الگ الگ کپڑے اور جوتے خریدے جاتے ہیں ہمارے دور میں ایک چلتا پھرتا انسان جس کا لباس تین سو تک اور بوٹ دو سو تک ہوتا تھا اور جیب خالی ہوتی تھی آج کا چلتا پھرتا نوجوان جو غربت کا رونا رو رہا ہوتا ہے اُسکی جیب میں تیس ہزار کا موبائل کپڑے کم سے کم دو ہزار کے، جوتا کم سے کم تین ہزار کا، گلے میں سونے کی زنجیر ہاتھ پہ گھڑی غربت کے دن تو وہ تھے جب گھر میں بتی جلانے کے لیے تیل نہیں ہوتا تھا روئی کو سرسوں کے تیل میں ڈبو کر جلا لیتے.آج کے دور میں خواہشوں کی غربت ہے.اگر کسی کی شادی میں شامل ہونے کے لیے تین جوڑے کپڑے یا عید کے لیے تین جوڑے کپڑے نہ سلا سکے وہ سمجھتا ہے میں غریب ہوں۔آج خواہشات کا پورانہ ہونے کا نام غربت ہے.ہم ناشکرے ہوگئے ہیں اسی لئے برکتیں اُٹھ گئی ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے تقوی اور پرہیزگاری کا راز کیا ہے؟

آپ نے فرمایا میں نے چار چیزیں سمجھ لیں

*۔مجھ سے میرا رزق کوئی چھین نہیں سکتا تو میرا دل مطمئن ہوگیا۔

*۔میں نے خود عبادت کرنی ہے کوئی دوسرا میرے لئے عبادت نہیں کر سکتا تو میں نے عبادت شروع کردی۔

*۔میں نے سمجھ لیا کہ مجھے دیکھ رہا ہے چنانچہ مجھے گناہ سے شرمندگی محسوس ہوئی۔

*۔میں نے سمجھ لیا کہ موت میرا انتظار کر رہی ہے تو بس میں نے سے

ملاقات کی تیاری شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان چاروں باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

گوادر کے ایک بلوچ شاعر عمران ثاقب کی خوبصورت اور درد بھری نظم نے بہت متاثر کیا۔

ساگ

جو قوم ایک پورا دن ساگ پکانے پر ضائع کر دیتی ہے وہ انسانیت کیلئے نقصان دہ ہو سکتی ہے یہ کہہ کر سکندر اعظم نے پنجاب پر چڑھائی کر دی۔ محمود غزنوی کو بتایا گیا کہ دنیا میں ایک ایسا خطہ بھی ہے جو ساگ کو انسانوں کی خوراک کہتے ہیں یوں سترہ حملے وجود میں آئے۔ ہمارے اور تمھارے درمیان اب ساگ فیصلہ کرے گا۔ نیوٹنپال پر آج تک کوئی حملہ آور فتح حاصل نہیں کر سکا کیونکہ وہ ساگ نہیں کھاتے۔ نیولینمیری قوم اگر ساگ کھانا چھوڑ دے تو کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔ (سر سید احمد خان)

کولمبس کو راستے میں ہی پتہ چل گیا تھا کہ برصغیر میں ساگ کھایا جاتا ہے اس لئے وہ راستہ بدل کر امریکہ نکل گیا۔ ایک منگول کو جب بغداد میں ساگ کھانے کو دیا گیا تو اس نے واپس جا کر چنگیز خان کو شکایت کر دی اور پھر چنگیز خان نے ساگ کا ذائقہ چکھا اور غصے میں قہر بن کر ٹوٹ پڑا ساگ کے خلاف کی گئی اس طرح کی تمام عالمی سازشیں اور حاسدانہ پوسٹ ہماری قوم کی ساگ سے دیوانگی کو کم نہیں کر سکتیں۔ خوب کھائیں۔

حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کرے گا

آپ کی جیب میں موجود کرنسی نوٹ پر لکھی تحریر حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی حکومت آپ کے مطالبے پر اس نوٹ کے برابر سونا ادا کرنے کی پابند ہے۔ کرنسی نوٹ کی حقیقت کیا ہے یہ بہت لمبی کہانی ہے۔ یہ یہودیوں کی سب سے بڑی سازش ہے دنیاں کی اصل دولت اکٹھی کرنے کے لیے جو کہ سونا ہے یعنی کہ گولڈ۔ دنیاء میں پہلے تجارت سونا چاندی کے سکوں پے ہوتی تھی۔ جو کہ اصل دولت ہے۔ بعد میں یہودی لابی نے شیطانی دماغ سے ایک سازش سوچی کہ کیوں نہ اس سونے کے سکے سے تجارت کی بجائے اس کی رسیدیں بنا کے دی جائیں اور سب کو کہا جائے کہ اپ اس سے تجارت کریں اس کے بدلے میں سونا ہمارے پاس رکھیں آپ جب چاہیں گے یہ رسید دے کے اپنا سونا واپس لے سکیں گے آہستہ آہستہ یہ رسیدیں کرنسی نوٹ کی شکل میں اختیار ہوتی گئیں اور دنیاء کا تمام سونا جو کہ دنیاء کی اصل دولت ہے وہ یہودیوں نے اپنے پاس سمیٹ لیا۔ اس کے بعد دنیا کو تجارت کے لیے ڈالر پے لگا یا گیا۔ اب ڈالر کے اختیارات بھی ان کے پاس ہیں۔ جو اصل دولت ہے سونا اس کی قیمت کے اختیارات بھی ان کے پاس۔ جب چاہیں کسی بھی ملک کی کرنسی کو لو کریں جب چاہیں سونے کا بحران پیدا کر کے اس کی قیمت بڑھا دیں۔ بنکاری نظام تخیلاتی کرنسی ڈیجیٹل کرنسی کریڈٹ کارڈ یہ بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

اگر آج ہی پاکستان کی کل آبادی سٹیٹ بنک کو نوٹ واپس کر کے سونا لینا شروع کر دے تو صرف بیس فیصد نوٹ قابلِ استعمال ہونگے۔ باقی اسی فیصد نوٹوں کی قیمت تیرہ روپے فی کلو ہے۔ کیوں کہ باقی نوٹوں کا سونا موجود ہی نہیں اس لیئے ان کی قیمت وہی ہے جو ردی کوڑے کی ہوتی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یورپ کے لوگ لکڑی کی جگہ کرنسی نوٹ جلاتے تھے۔ کیوں کہ لکڑی کی قیمت کرنسی سے زیادہ ہو گئی تھی۔ مہنگائی بڑھنے کی شرح جسے انفلیشن یا افراطِ زر کہتے ہیں کا کانسیپٹ صرف سو سال پرانا ہے۔ ایک مرغی کی قیمت فرعون کے دور میں دو درہم تھی جو کی انیسویں صدی کے آخر تک دو درہم ہی رہی۔ اگر ہم غور کریں تو آج بھی اس کی قیمت دو درہم ہی بنتی ہے۔ مطلب صفر فیصد انفلیشن۔ پچھلے صرف 100 سالوں کے دوران کاغذی کرنسی کی قیمت کئی سو گناہ گر چکی ہے۔ انفلیشن دراصل ایک ٹیکس ہے جو امیر اور غریب بغیر کسی تفریق کے برابر ادا کرتے ہیں۔ آج غربت اور افلاس کی سب سے بڑی وجہ ہی پیپر کرنسی اور اس پر دیا جانے والا سود ہے۔ جب ہم آئی ایم ایف سے قرضہ لیتے ہیں تو اصل میں ڈالرز ہمارے پاس منتقل نہیں ہوتے بلکہ امریکہ میں ہی کسی بینک میں موجود ایک اکاؤنٹ میں صرف کمپیوٹر کے زریعے ٹرانزیکشن ہوتی ہے۔ اس اکاؤنٹ میں بھی ڈالرز منتقل نہیں ہوتے۔ آج تک دنیا میں موجود ڈالرز کا صرف تین فیصد چھاپا گیا ہے۔ باقی ستانوے فیصد ڈالرز صرف کمپیوٹرز کی ہارڈ ڈسکس میں محفوظ ہیں۔ آئی ایم ایف کے چارٹر میں یہ بات تحریر ہے کہ کوئی ملک سونے اور چاندی کے سکے جاری نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو آئی ایم ایف یا ورلڈ بینک ایسے ملک کو قرضہ نہیں دیں گے۔ امریکہ سمیت دنیا میں کئی سربراہ مملکت اس بات پر قتل ہو چکے ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنی کرنسی یا سونے اور چاندی کے سکے جاری کرنے کی کوشش کی۔ اس ملک کی حکومت وزیرِ خزانہ اور سیکریٹری فائیننس آئی ایم ایف کی اجازت کے بغیر نہیں لگا سکتی۔ آئی ایم ایف قرضہ دیتے ہوئے سب سے پہلی شرط پرائیویٹائیزیشن کی رکھتا ہے اور اس کے بعد قرض دیا جاتا ہے۔ کبھی غور کیجیئے گا کہ ایسا کیوں ہے۔ سعودی عرب اور ایران سمیت تمام پٹرول برآمد کرنے والے ملک اس بات کے پابند ہیں کہ پٹرول صرف ڈالرز کے بدلے بیچا جائے

گا نہ کہ بیچنے یا خریدنے والے ملک کی کرنسی میں۔انسانی تاریخ میں کبھی بھی اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو بیوقوف نہیں بنایا جا سکا۔یہ انسان کی تاریخ کا سب سے بڑا افراڈ ہے۔

Happy Father's day کئی سال پہلے میں صبح کے وقت ایک گلی سے گزر رہا تھا، سامنے ایک دیہاتی سا آدمی اپنے چھ سات سال کے بچے کو بری طرح ڈانٹ رہا تھا...اس نے چپل ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی، لیکن مار نہیں رہا تھا، بس ڈرا وادے کر ڈانٹے جا رہا تھا...مجھے غصہ آیا کہ ظالم شخص صبح صبح ایک معصوم سے بچے کو کیوں ڈانٹ رہا ہے...میں نے تھوڑا تلخ لہجے میں پوچھا کون ہے یہ بچہ، اور کیوں ڈانٹ رہے ہو بیچارے کو....میری بات پر اس بندے کی عجیب سی حالت ہوگئی اور وہ گلی میں ہی بیٹھ گیا اور بولا اوئے یار کیا بتاوں، صبح اسکو پیسے دے کر دہی لینے بھیجا، یہ ہمسائے میں اپنے دوست کے گھر جا کر ٹی وی دیکھنے بیٹھ گیا...میں تلاش کر کر کے پاگل ہوگیا یار..میرا ایک ہی پتر ہے، میری تو جان ہی نکل گئی تھی...اب جا کر ملا ہے...اتنا کہہ کر اس نے اپنے بیٹے کو گلے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا...بچہ بھی ساتھ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا ابا، اب نہیں جاوں گا، ابا اب نہیں جاؤں گا...مجھے اس باپ کی کیفیت اور محبت آج تک نہیں بھولی...وہ بیچارہ باپ کتنے کرب اور دکھی دل سے بیٹے کو ڈانٹ رہا ہوگا....جسے میں ظالم شخص سمجھ رہا تھا...وہ اولاد کی محبت سے کس قدر لبریز تھا...

(عین حیدر)

تعارف

گل بخشالوی

میرا نام سبحان الدین ولد اسرار الدین ہے 30 مئی 1952ء کو خیبر پختونخواہ کے مضافاتی گاؤں بخشالی ضلع مردان میں پیدا ہوا شعور کی آنکھ نوشہرہ میں کھولی۔ آٹھویں جماعت تک باقاعدہ تعلیم کے حصول کے بعد 1966ء میں پاک فوج میں پاکستان کا سپاہی بن گیا۔1970ء میں پاک فوج کو خیر باد کہہ کر واہ آرڈیننس فیکٹری میں دفتری ملازم ہوگیا میری پہلی اُردو نظم، ماہنامہ واہ کارگر، میں شائع ہوئی اس نظم سے میری علمی راہیں کھل گئیں ایک مہربان افسر کی معاونت سے 1971ء میں میٹرک کا امتحان پہلی پوزیشن میں پاس کر کے اُسی دفتر میں کلرک ہوگیا۔افسرِ اعلیٰ کی مزید مہربانی سے میٹرک سائنس میں پاس کر کے ڈبل میٹرک کیا اس وقت ضیاء الحق برسرِ اقتدار آ گیا میں ذوالفقار علی بھٹو کا نظریاتی سپاہی اور تنظیمی عہدیدار تھا گرفتاری کے خوف سے کھاریاں آ کر مستقل طور پر آباد ہوگیا۔کھاریاں میں زندگی کے کئی نشیب وفراز دیکھے۔شاعر اور نثر نگار تھا صحافی بھی بن گیا کھاریاں شہر سے پہلا ہفت روزہ ''کھاریاں ٹائمز'' شائع کیا۔1982ء میں ''قلم قافلہ'' کی بنیاد رکھی اور ماہانہ ادبی رسالہ ''قلم قافلہ'' شائع کیا۔دنیائے اُردو ادب میں اپنی پہچان کیلئے 1984ء میں 364 شعراء وشاعرات پر مشتمل پہلا غزل انتخاب ''سوچ رُت'' کے نام سے شائع ہوا جو کہ آج بھی میری ادب دوستی کی پہچان ہے۔دنیائے اُردو ادب میں نئے لکھنے اور کہنے والوں کی حوصلہ افزائی میرا ادبی مشغلہ ہے۔اکتوبر 1998ء میں پہلے برطانیہ اور پھر امریکہ چلا گیا میں جہاں بھی رہا اپنے قلم، فکروخیال، دینِ مصطفیٰ اور وطن سے اپنی محبت کو اپنے وجود اور شعور میں شاداب رکھا 2010ء میں مستقل طور پر واپس پاکستان آیا اسلئے کہ میرے دو بیٹے شاہد بخشالوی او رامجد بخشالوی ساؤتھ افریقہ میں میری پہچان ہوگئے۔ 1984ء سے آج 2019ء تک 26 کتابیں شائع ہوئیں تصانیف حیاتِ طیبہ (منظوم)، گلستانِ نعت، مجموعہ کلام: قلزم خون، ادھورے خواب،، میرا قبیلہ محمدی ہے، **سفر نامہ**: دیارِ نبی، منڈیلا کے دیس میں، جا دیکھا تیرا امریکہ، تبدیلی (منظوم) پاکستان سے پاکستان تک، **تالیفات**: انتخاب حمد ونعت، خدائے محمد، بزمِ رسالت 248، گلزارِ محمد 248، دربارِ رسالت 248، گلزارِ مصطفیٰ 248 انتخاب غزل: سوچ رُت 1984ء، سوچ رُت 2002ء سوچ رُت 2016ء، غزل خوشبو 2018ء نظم آراستہ، سخنورانِ جہاں،، بے نظیر قیادت،، تم کب تک بھٹو مارو گے،، حضرت خواجہ محمد معصوم 231، بولتے حقائق (نامے جو مرے نام آئے) ڈاکٹر وزیر آغا، پروفیسر پریشان خٹک، تنویر صدیقی، میاں جمیل صدیقی، گل بخشالوی کی ادبی خدمات پر ایم فل کا مقالہ لکھا جا چکا ہے جو میری ادبی خدمات کا اعتراف ہے۔اعزازات اور ایوارڈ مختلف علاقائی ادبی تنظیموں کی طرف سے ایوارڈ واعزازات کی فہرست طویل ہے لیکن تا دمِ تحریر کسی بھی قومی یا صوبائی ادارے کی طرف سے کوئی ایوارڈ اور اعزاز نہیں ملا۔امریکہ سے واپسی پر خود کو مکمل طور پر اُردو ادب کیلئے وقف کر چکا ہوں۔کتابوں کی اشاعت، قلم قافلہ کے زیرِ اہتمام شاعری اور دوسری کتابیں برائے فروخت نہیں ہوتیں، اہل قلم، شعراء وشاعرات کے ساتھ قومی، علاقائی اور تعلیمی اداروں میں لائبریری کو اعزازی ارسال کر دیا کرتا ہوں۔اس کے لئے میں کسی فردِ واحد یا کسی ادارے سے کوئی مالی امداد نہیں لیتا،، بخشالی منزل میں علمی وادبی تقریبات مشاعرے اور علاقائی اخبار کھاریاں گزٹ ماہانہ میگزین کی صورت میں باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں۔بزمِ قلم ویب گروپ اور سخنورانِ جہاں وٹس ایپ گروپ میں دنیائے اُردو ادب کے چاند، ستاروں، جگنو اور تتلیوں سے رابطے میں ہوں، ادب دنیا میں اپنے احترام پر اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہوں۔رائٹرز کلب کھاریاں کا آرگنائزر کھاریاں پریس کلب اور انجمن تاجران کھاریاں کا سابق صدر ہوں۔

***

ڈاکٹر منور احمد کنڈے کا نظریۂ حیات
اُنہی کے اشعار کے آئینے میں۔۔!!

امجد مرزا امجد

میں منور احمد کنڈے صاحب کو سابقہ بائیس برسوں سے جانتا ہوں۔گو اس تمام مدت میں ہم صرف دو بار ملے ہیں مگر جب ایک دوسرے کا نظریۂ حیات ایک جیسا ہو۔۔دونوں کی سوچ،روّیہ،برتاؤ اور پسند وذوق ایک جیسا ہو تو فاصلہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔بائیس برس سے تقریباً ہر روز یا دوسرے روز گھنٹوں فون پر بات چیت،ایک دوسرے کے خیالات اور پسند کو آپس میں بانٹا جائے تو تعلقات اسی طرح بن جاتے ہیں جیسے ایک گھر میں رہتے ہوئے دو بھائی یا پڑوس میں رہتے ہوئے دوست۔۔!!

لہٰذا میں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں کہ منور احمد کنڈے کے نظریات زندگی کے بارے میں کیا ہوں گے۔۔!!جو شخص زندگی میں کسی کے ساتھ لڑا نہ ہو کسی کی برائی نہ کی ہو کسی سے اس کا کوئی جھگڑا نہ ہو بلکہ کسی سے ناراض تک نہ ہوا ہو ،کسی کے ساتھ لین دین میں کبھی کوئی ہیر پھیر نہ کیا ہو،کسی کا ادھار نہ دینا ہو ،کسی کی مشکل سن کر اس کی مدد کو آمادہ ہو جائے۔۔کسی کو دکھ میں دیکھ کر تڑپ جائے،رشتہ دار،برادری،پڑوسی،دوست احباب کے ساتھ مخلص ہو،ہمیشہ ان کے لئے اچھا سوچے،کبھی کسی کا برا نہ چاہے۔اپنے دین سے محبت کرے۔ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے،دنیا میں کہیں بھی کسی انسان پر ظلم ہو اس پر آنسو بہائے۔اپنے قلم سے اس کی نفی کرے۔کلمہ گو ہونے کی حیثیت سے اپنی نبی پاک ﷺ سے عشق کرتا ہو۔

مہتاب سا منّور ہے رہنما ہمارا ہو گر وفا نبیؐ سے ہو گا خدا ہمارا

(''رودِوفا'')

عشق کی انتہا ملاحظہ ہو کہ کہتے ہیں۔

نبیوں کی امتوں میں صد شکر ہم ہیں افضل
نورِ وفا سے روشن ہے راستہ ہمارا

(''رودِوفا'')

اور اپنے رب کے ہر حکم کی پیروی کرنا فرض سمجھے۔جو بھی مانگنا ہے اسی کے در سے مانگے۔۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

تم بھی پھیلا کے ذرا دیکھ لو جھولی اپنی اُس کے در سے نہ منور کوئی خالی جائے

(''رودِوفا'')

انہیں اپنے دینِ اسلام سے عشق کی حد تک پیار ہے اور وہ نماز روزے کے بھی پابند ہیں۔اپنے دین سے محبت کی مثال ملاحظہ ہو۔۔

انشاء اللہ روز ابد تک رہے گا دین اسلام منور

(''بیدار دل'')

گو آج مسلمان درجنوں فرقوں میں بٹا ہوا ہے،سماج میں چھوٹے بڑے کا فرق نمایاں ہے۔فرقہ پرستی،صوبہ پرستی نے لوگوں میں تفریق پیدا کر دی ہے۔زبان،مذہب تک میں تعصّب اور بغض سے کام لیا جاتا ہے،مگر ان کے نزدیک یہ سب دنیاوی اور وقتی باتیں ہیں۔آج تک ان موضوعات پر انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جس سے ان کے لہجے میں تبدیلی واقع ہوئی ہو یا کوئی ایسا لفظ منہ سے نکلا ہو جس سے نفرت یا تعصب کی بو آئے۔اگر کچھ کہا بھی تو ایسے تعصّبات کی نفی کی ہے۔کبھی شکایت نہیں کی۔

میں زمانے سے منور کیا کروں اپنا بیاں
خود زمانے کو گلا: کیسا زمانہ آگیا

(''بیدار دل'')

کچھ کہا بھی تو دعا کی۔۔خیر مانگی۔۔۔۔!!

خیر مانگوں وطن کے انساں کی خشک سالی عذاب ہے سائیں
پیار کا درس لو منور سے دل کی کھولی کتاب ہے سائیں

منور کنڈے چونکہ ایک مانی ہوئی معروف ادبی شخصیت ہیں اب تک مختلف موضوعات پر بارہ کتابیں منصۂ شہود پر آ کر پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔لہٰذا ادبی طور پر بھی ان کا تعاون ہر خاص وعام کے ساتھ رہا۔بے شمار مضامین اور توشیحی نظمیں لکھ چکے ہیں۔جب بھی کسی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا انہوں نے مسکرا کر ہاں کہہ دی۔چاہے کتنی مصروفیت کیوں نہ ہو۔اس کے علاوہ انڈیا و پاکستان اور برطانیہ کے اخبارات ورسائل کے ساتھ ان کا ہمیشہ قلمی ومالی تعاون رہا۔ایک طویل مدت تک لندن کے ہفتہ وار''نوائے وقت'' میں ان کا ہومیوپیتھی کے علاج اور دوائیوں پر نہایت معلوماتی کالم شائع ہوتا

رہا۔ اس کے علاوہ ان کے کلام کو بھی بے شمار رسائل و اخبارات نے شائع کر کے قارئین تک پہنچایا کیونکہ وہ خود کہتے ہیں۔

دعا مانگتی ہے یہ میری غزل سلامت رسائل کا قاری رہے

(''بیدارِ دل'')

کیونکہ ان کا نظریۂ حیات ہی یہ رہا ہے کہ۔ ہر کسی کی مدد کرو۔ ملک و دین سے بلا تفریق اور بلاشرط پیار کرو اور مخلص رہو۔ برسوں سے اپنے وطن سے دور پردیس میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے وطن کی یاد سے دل کو کبھی غافل نہیں ہونے دیا۔ پنجابی میں ایک نظم کا بند ہے جس سے ان کی یک جہتی و اخوت اور پاکستان کے ہر بندے سے انمول محبت ظاہر ہوتی ہے۔

سرحد، پاک پنجاب تے یارو سندھ، بلوچستان
چاھڑے بھائیاں جھیاں پائیاں بنیا پاکستان
میرے پاک وطن دی اللہ رکھے اُچی شان
جیوے پاکستان اہ ساڈا جیوے پاکستان

(''پینگ اُلارے'')

انسان زندگی میں ایک سے بڑھ کر ایک کی خواہش میں لگا رہتا ہے اور اسی ہوس و لالچ میں زندگی تمام ہوجاتی ہے مگر منور کنڈے صاحب نے اس اصول پر زندگی گزاری ہے، جیسے وہ کہتے ہیں۔

لکھا ہوا ہے وہ جو منوّر نصیب میں
لڑتے ہیں روز رِند کیوں اُس جام کے لئے

(''رودِ وفا'')

غرباء کے ساتھ تعاون، کیونکہ ان کا طب کے ساتھ تعلق رہا اور ایک طویل مدت تک ہومیوپیتھی کے ڈاکٹر رہے اس مد میں بھی انہوں نے بغیر کسی مالی لالچ کے اس مقدس پیشے کا تقدس قائم رکھا اور لوگوں کی بے انتہا مدد کی۔ انسان زندگی میں اگر چند باتوں کو اصول بنالے کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھائے، دوست اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرے، اپنے بیوی بچوں کے حقوق اس طرح پورے کرے کہ کبھی چھوٹی سی بھی شکایت کا موقع نہ دے۔ قلم کے ساتھ انصاف رکھے، زبان سے کسی کو کبھی دکھ نہ دے اور ہر وقت اپنی اللہ کو یاد رکھے اور دوسرں کے ساتھ مالی، اخلاقی، سماجی ادبی تعاون کے لئے تیار رہے۔ تو اس سے اچھا اور عظیم کسی کا نظریۂ حیات نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک پیار کرنے والے شوہر ہیں۔ محبت کرنے والے باپ ہیں۔ مددگار بھائی اور نہایت مخلص دوست ہیں اور یہ تمام خوبیاں ہمارے نہایت مخلص دوست، بھائی جناب ڈاکٹر منور احمد کنڈے میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

چمک رہی ہے منوّر وفا سے پیشانی
ہماری جھولی میں بس اک یہی ستارا ہے

ڈاکٹر منور احمد کنڈے محض دردِ ذات ہی نہیں رکھتے بلکہ دردِ کائنات کو اپنے سینے میں سمونے کا ظرف رکھتے ہیں اور اپنے اشعار کے وسیلے سے اس کے اظہار کا یارا بھی رکھتے ہے۔

حرف سے ظاہر ہوئی تھی کائنات حرف کی حرمت گھٹانا چھوڑیئے
ہیں گرفتار بلا دنیا کے لوگ اور ان کا دل جلانا چھوڑیئے

(''بیدارِ دل'')

ان کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پرواز کے لئے کھلی فضا تلاش کی ہے اور اس بات کا عرفان حاصل کیا ہے کہ محض لفظی بازیگری کو شاعری کا نام نہیں دیا جاسکتا ان کے اس جذبے نے انہیں وہ قوت عطا کی ہے کہ اپنی غزل میں حسنِ خیال اور رنگِ جمال کا ادراک کرا سکیں۔ شاعری صرف جذبات کی ترجمانی نہیں ہے بلکہ ایک فن ایک صناعی ہے۔ شاعر الفاظ کی مدد سے اپنے حسیات وتخیلات جذبوں، ولولوں، امنگوں اور اپنے تجربات و مشاہداتِ زندگی کو تعمیری عمل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ محترم منور احمد کنڈے صاحب نے بھی ہمیشہ انہی جذبات کو مدِنظر رکھ کر شاعری کی۔ ان کے چند خوبصورت اشعار کے ساتھ مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔ گو ان کے بارے میں لکھنا چاہوں تو پانچ سو صفحات کی کتاب بھی شاید اپنا حق پورا نہ کر سکے، مگر صفحات اور وقت اس کی جازت نہیں دیتا۔۔۔!!

کہتے ہیں جسے عشق وہ آتش ایسی یخ بستہ ہو سینہ تو سلگتا جائے

(''بیدارِ دل'')

ہمیں ہجرت کے طعنے دینے والو تم نہ سمجھو گے
وطن میں کیا تھی مشکل اقتصادی ہم سمجھتے ہیں

(''بحرِ خاموش'')

ہیں منوّر دیکھنے کو اور بھی منظر مگر
کیا کریں آنکھوں سے ہے رشتہ پرانا خواب کا

(''بحرِ خاموش'')

اظہار خیال (سیدا کمل حسین) لندن

مصنفہ (فرخندہ رضوی) ریڈنگ۔خوشبوئے خندہ

ممکن نہیں ہے آگ لگے اور دُھواں نہ ہو

یوں تو فرخندہ کا بنیادی اور پیدائشی تعلق شہر اقبال سے ہے مگر آج کل انگلینڈ کے شہر ریڈنگ میں ایک طویل عرصے سے مقیم ہیں۔برطانیہ کی اکثر ادبی محافل میں تواتر سے شرکت کرتی رہتی ہیں ایک شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک افسانہ نگار بھی ہیں مگر انکا شعری حوالہ نسبتاً واقعاتی خیالی نوعیت کا ہے ان کا کلام اورافسانے ادبی جرائد میں چھپتے رہتے ہیں اس وقت ان کا شعری مجموعہ خوشبوئے خندہ مطبوعہ ہمارے آزادخیالی اور کشمکش کی کیفیت جنم لیتی ہے۔ان کے نزدیک محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے محبت نگاری کا قرینہ اُن کے ہاں منظرنگاری اور تمثیلاتی انداز میں ملتا ہے جس کی بدولت فکری تشنگی گریز پا معلوم ہوتی ہے۔بے لوث جذبہ کی قائل ہیں انہیں محبت پر اِس قدر یقین ہے اس لئے وہ اس جذبے کو جابجا باور کراتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں جس کی بدولت دعووں کا جواز جنم لیتا ہے متضاد النوع رویئوں کو وہ انتہائی چابکدستی سے پیش کرتی ہیں اس لیے اُن کے سُخن کا مطالعہ قاری کے لیے خوشگواری طبع اور شگفتگی طبع کا سامان مہیا کرتا ہے۔

کہتی ہیں ! شجر ہوں شاخ ہوں، صبا ہوں
ہتھیلی پر رچی کوئی حنا ہوں

فرخندہ کے یہاں وہی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دبستان حضرت قیصر بارہوی کے علاوہ ڈاکٹر صفدر زیدی کے ہاں مخصوص ہیں۔خیالی مضامین اور واقعاتی مضامین پر انہوں نے زیادہ طبع آزمائی ہے کلام کا یہ حصہ نہایت پُرکیف اور پُر اثر ملتا ہے جو نظم ماں جی کی ساتویں برسی پر مبنی ہے اور بہت ہی خوب صورت جدید مرثیے کی حامل ہے اسکا فیصلہ قاری مطالعے کے بعد کر سکتا ہے۔جناب رضا سرسوی مرحوم جنکا انتقال ابھی گزشتہ سال ہوا ہے اور جناب مسعود رضا خاکی کو گزرے ایک عرصہ گزر چکا ہے ہر دو افراد کے کلام میں ماں کے پیار اور جذبات پر ایک سند ہیں نفسیات کے حوالے سے ڈاکٹر مسعود رضا خاکی ماں کے حوالے سے فرماتے ہیں۔قطعہ بند ملاحظہ ہو۔

ماں زندگی کا مرکز صبر و قرار ہے
ماں اِک چمن میں مسلسل بہار ہے
ماں لطف ہے سکوں ہے شفقت ہے پیار ہے
ماں اِک عظیم پروردگار ہے

فرخندہ کی نظمیں جو عروضی تلازمات سے عاری ہیں اُن کے مذکورہ مجموعہ کی غزلیات کے اشعار کا تنقیدی مطالعہ موضوعاتی،واقعاتی اور خیالی مضامین کے تناظر میں زینت قرطاس ہے۔اس مصرعہ کے عقب میں ایک طویل کہانی پوشیدہ ہے جس کا اندازہ لفظ اجالوں سے ہو رہا ہے بہر حال اس واقعے کا تذکرہ کرنا میرا یہاں مقصود نہیں۔

خوف آنے لگا مجھ کو چاہت کے اجالوں سے
اَب دور ہی رہتی ہوں رنگین خیالوں سے

فرخندہ کے ہاں رازدارانہ معاملات کا بیان بھی سادگی وصفائی کے پرائے میں پایا جاتا ہے ان کے وجدان شعر میں شوق وضبط کی پیوندکاری حسین اظہار کی حامل ہے۔

نہ گھبرا جذبۂ کامل ہمارے
قدم چومے گی خود منزل ہمارے

جس سے اُن کی اظہاری جسارتیں بھی اظہر من الشّمس ہوتی ہیں۔اُن کے اشعار کہیں کہیں خیالی بندی سے ہٹ کر دلی جذبات و احساسات کی کامیاب مصوری پیش کرتے ہیں۔قادر الکلامی میں اظہار کے طور پر جو نظمیں اور غزلیں کہیں ہیں وہ طولانی نہیں ہیں مگر سراپا نگاری میں ایک مکمل اور مضبوط رجحان ملتا ہے۔زبان بامحاورا اور شگفتہ ہے مگر کلام میں بعض الفاظ اور ترکیبیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو پرانے عہد میں متروک ہوگئی تھیں مگر اِن کے کلام میں معاصرین کے مقابلے میں زیادہ سنجیدہ اور متین ہیں۔

نمونہ کلام کچھ اس طرح ہے۔

تجربہ کچھ ایسا ہوا اُس کی وفاداری کا
بیج مٹی میں وفاؤں کا نہ بویا جائے

یہاں پر بھرپور محبت کا غماز ہے چاہے جانے کی آرزو شدید نوعیت کی حامل ہے۔فرخندہ کے ہاں شعری دنیا میں کچھ موضوعات میں معرفت ومجاز اور رومان کے معاملات شامل ہیں اگر جہاں سخن میں انکی جلوہ سامانی نہ ہوتو شاعری کو شاعری کہتے ہوئے عار محسوس ہوتی ہے شاعری لغوی اعتبار کے شعور سے عبادت

سمجھی جاتی ہے لیکن اس میں عقل وخرد کی بجائے جنون کی عملداری زیادہ ہوتی ہے اس لیئے طبقہ سخنواراں کو حلقہ جنون کیشاں کہا جاتا ہے کیونکہ شعرائے کرام پاسدارِ شعور ہونے کی نسبت اہلِ قلب و دل زیادہ ہوتے ہیں اور اُن کا جھکاؤ جنون کی طرف فزوں تر ہوتا ہے اگرچہ جدید تنقیدروش میں خرد کو بہت فوقیت دی گئی ہے مگر جہاں شعر دل اور دل کے معاملات کی راج دھانی قائم رہی ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ناقدانِ فن خرد کی طرف مائل ہوتے ہیں جبکہ اہل سخن پاسدار جنون ہوتے ہیں اگر شاعری کو کلاسیکی تنقیدی و تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو اسکا بنیادی مقصد تفریحِ طبع ہے جس کی اہمیت وفوقیت کسی بھی عہد میں کم ہوتی ہوئی نہیں دکھائی دیتی ۔معرفت ومجاز ،رومان محبت ایسے موضوعات ہیں جن سے تفریحِ طبع کے وسیع تر مقاصد وابستہ ہیں اس لیے انہیں معاملاتِ شوق سے منسوب سمجھا جاتا ہے عہد موجود میں بھی جمہور قارئین تسکینِ طبع کے لئے شاعری سے رجوع کرتے ہیں اس لیے معاملاتِ شوق کی اہمیت کسی بھی دور میں ماند ہوتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی فرخندہ رضوی کے سُخن میں بھی مجاز اور رومان کے وسیع تر شواہد ملتے ہیں۔ انکا شعر

کیسے رسائی ہوتی مری لطفِ یار کی
مجھ سے سہی گئی نہ شبِ انتظار کی
صاحب واقف آداب ہے تیری طرح
ہر جفاکش طالبِ القاب ہے تیری طرح

ایک اور شعر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔

طائروں کا شکار کرتے ہوئے
چارہ دانے بھی جال میں رکھنا

اسی لئے اُن کے ہاں خوشگواری طبع اور شگفتگیِ طبع کے وسیع تر امکانات ہیں شاعری میں زورِ بیاں کی ضیا کا اہتمام بخوبی ملتا ہے احساسِ خود محبوبی جو نسائی شاعری کا ایک اہم فکری تلازمہ ہے اپنائیت وجاذبیت کے انداز میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔

کوئی مصرعہ میرا گلشن کوئی مصرعہ ہے ویرانہ
کہاں کس موڑ پر لے آئی ہے یہ شاعری مجھ کو

کسی مسیحا صفت دلربا کی بازیافت کا غم بھی اُن کے افکارِ سخن میں نمایاں ملتا ہے جس کے سبب زیست اُجاڑ پَن کا شکار معلوم ہوتی ہے۔محبوب کا تنقیدی رویہ اُن کے لیے اداؤں کا گہرا روپ دھارے ہوئے ہے محبوب کی جفا اور وفا کا عمل بھی امتزاجی کوائف رکھتا ہے۔

کروں تجھ سے بیوفائی یہ روا نہیں تھا
اُسے بے وفا نہ کہنا وہ بے وفا نہیں تھا

پیشِ نظر زیر بحث ہے جس میں حمد ونعت،غزل،آزاد نظم اور نظم تجدید عہد کا دِن بھی شامل ہے۔ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ شدت احساس کی وجہ شاید ماں جی کا انتقال ہے۔جس فن وفرد کی شخصیت سے جدا نہیں کیا جا سکتا کسی فنکار ،مفکر،محقق،یا شاعر اپنے روزمرہ کے تجربات زندگی ہی تخلیقات میں عیاں کرتا ہے اس کی تحریر اور تخلیق پرکھنے اور سمجھنے کی صحیح قدر منزلت اور قیمت کے لیئے اس کا تعین اور اسکا ماحول معاشرہ اور زندگی کے اُتار چڑھاؤ کا گہرا مطالعہ بہت ضروری ہے۔فرخندہ کے سخن میں ہجر کی آنچ شدید نوعیت کی ہے محبت کے حوالے سے کچھ خلافِ توقع کیفیات بھی پائی جاتی ہیں اس لیے شکوہ شکایت کی حکایت بھی فطری انداز میں ملتی ہے۔تمثیلاتی نادرہ کاری بھی اُن کے سخن کا ایک وصف خاص ہے اس کا اندازہ قاری کو خوشبوئے خندہ کی ورق گردانی سے ہوگا مسلسل کہنہ ریاض فکر وفن کی بدولت اُن کے کلام میں مزید معیار اور نکھار پایا جاتا ہے۔اُن کے مذکورہ شعری مجموعہ سے چند شعر نذرِ قارئین ہیں:

دَم اس کے پیار کیا سنو بھرتی نہیں ہوں میں
اَب اُس کے دل سے ہو کر گزرتی نہیں ہوں میں

فرخندہ رضوی جس قلم کی ساتھی ہیں اس میں سنجیدگی کے بہت خزانے پوشیدہ ہیں اور چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کہنہ مشق قلم کار اور مفکر ہیں مگر ہونٹوں کی مسکراہٹ کو سدا قائم رکھتی ہیں۔خالص مشرقی اصول کی حامی حُب الوطنی کا جذبہ شاہد والد و والدہ کی جانب سے ورثہ میں ملا ہے۔پابندِ وقت مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شرکت کے وقت ان کے دوست اور احباب اپنی گھڑی کو درست کرتے ہوئے نظر آتے ہیں میرا اپنا تجربہ ہے اور فرخندہ بھی اِس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ادبی محافل اور مشاعرے عموماً وقت پر شروع نہیں ہوتے مگر یہ ان کے مزاج کی سادگی اور اصول پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا ثبوت ہے دوسرے شعرأ کے کلام کا بغور اور ہمہ تن گوش ہو کر توجہ سے سننا شاید ان کو قلمکاری میں مدد ثابت ہوتا اور ذہن زرخیز سے انمول صدف الفاظ کی صورت میں قرطاس وقلم کے حوالے کرتی ہے۔شعر کہنے کو عموماً تنہا رہنا پسند کرتی ہیں گھر میں ان کے مطالعے کے گوشے موجود ہیں جب طبیعت کچھ لکھنے کو تیار ہوتی ہے چنانچہ کچھ بہانا بنا کر وہاں سے اُٹھ کر اپنے مطالعے کے گوشے میں چلی جاتی ہیں ۔اس جدید دور میں بھی خطوط لکھنے اور ان کا جواب دینے میں بہت پابند ہیں ۔اردو ادب بالخصوص فن شاعری میں ایسا نا قابل اضافہ جو خوشبوئے خندہ کے نام سے جانا جائے گا اور آنے والے کل میں ایک منفرد مقام کا حامل ہوگا نصف صدی

سے بھی زیادہ لندن کے مشاعروں اور محافل میں مہکنے والی یہ خوشبو، سنو خموشی کی داستاں، فاصلے ستا رہے ہیں، پھر وہ صبح کہاں زیرلب خندہ، قلم خندہ اور اَب خوشبوئے خندہ گلستان کے دامن میں گُندھ ہو کر ہمارے اذہان پر الفاظ کی صورت میں مہک دے رہی ہیں یہ سب اس قلم کا فن ہے جو فرخندہ کے ہاتھ میں ہے اور سچ پر مبنی یہ قلم نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی کے دباؤ میں آتا ہے اس قلم کی مقبولیت اور خوشبو اَب لندن کے دبستان سے نکل کر دنیائے ادب شعرأ کے اذہان عالی پر قبصہ جما چکی ہے۔ اور امید ہے کہ یہ خوشبو ایک عرصہ دراز تک قائم رہے گی۔۔ آمین (سید اکمل حسین لندن)

فرشتہ بنے گیا تھا - ابن لطیف

میں پاک آرمی میں جاب کرتا ہوں۔ یہ سردیوں کے دن تھے اور میں مصروفیت کے باعث 2 ماہ 15 دن کے لمبے عرصے بعد گھر چھٹی گیا۔ یونٹ میں ایڈم، ٹیکنیکل کی وجہ سے اس دفعہ ویکنڈ نہ مل سکا۔ گھر پہنچا تو عید کا سماں تھا۔ ماں باپ بہن بھائی سب بہت خوش تھے۔ میں نے اس مہینے کی تنخواہ والدہ کے ہاتھ پر رکھ دی۔ والدہ نے رقم کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی نیت سے علیحدہ کیا اور کہا کہ اس رقم سے ایک بیوہ عورت کے گھر راشن خرید کر پہنچا دینا جو دور کے ایک گاؤں میں رہتی تھی۔ میں اسی وقت گیا اور راشن خرید کر لایا۔ گھر میں میرے لئے پرتکلف طعام کا انتظام کیا گیا تھا۔ بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر لذیذ کھانوں کے مزے اُڑائے اور سفر کی تھکاوٹ دور کرنے کی غرض سے رضائی میں گھس گیا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں کہ اچانک اس بیوہ عورت اور اس کے یتیم بچوں کا خیال آیا۔ ارادہ کیا کہ ابھی جاؤں اور سامان پہنچا آؤں، طبیعت میں سُستی تھی سوچا کل پہنچا دوں گا۔ لیکن بعد میں خیال آیا میں تو پرتکلف کھانے کا مزا لے چکا کہیں وہ بچے بھوکے نہ ہوں۔ اسی وقت لحاف سے نکلا۔ ایک چادر اوڑھی، تھیلا موٹر بائیک پر رکھا اور اس کے گھر کی طرف نکل پڑا۔ شدید سردی تھی۔ دھند بھی زیادہ تھی۔ ایک دور گاؤں میں اس عورت کا گھر تھا۔ اس کا شوہر مزدوری کرتا تھا اور چار بچے تھے۔

ایک ناگہاں حادثے میں شوہر کی موت ہوگئی اور اب اسکے یتیم بچوں پر دست شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ قسمت بھی بہت ستم ظریف ہے۔ خیالات کا اک سمندر لئے اس بیوہ عورت کے گھر کے باہر پہنچا۔ گھر کیا تھا بلکہ ایک ڈربہ تھا۔ ایک کمرہ چھوٹا سا صحن اور ایک خمیدہ سی چار دیواری تھی۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک 5 سالہ بچی باہر آئی۔ جس کے چہرے پر پریشانی خوف اور بھوک نمایاں تھی۔ میں اس کے چہرے کو تکے جا رہا تھا اور دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ اللہ کسی بچے پر ایسا وقت نہ لائے۔ اس بچی نے ایک پرانا سا جوڑا پہنا ہوا تھا اور شدید سردی میں ایک پھٹی پرانی جرسی پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں برہنہ تھے وہ بھی اس سردی میں کہ پیروں کو جما کر رکھ دے۔ میں نے کچھ کہے سنے بغیر راشن والا تھیلا زمین پر رکھا۔ تھیلے کو دیکھتے ہی وہ بولی کیا اس میں کھانے کا سامان ہے؟ یہ سُننا تھا کہ میں حیران ہو گیا۔ ایک بار پھر اس نے یہی سوال دہرایا۔ میں نے مثبت انداز میں سر ہلایا۔ وہ بچی خوشی کے مارے چیختی چلاتی ماں کہ طرف بھاگی اور یہ کہے جا رہی تھی امی فرشتہ آ گیا۔ امی فرشتہ آ گیا۔ اور پھر دو اور چھوٹے چھوٹے بچے خوشی مارے دروازے پر دوڑے چلے آئے۔ کبھی مجھے دیکھتے کبھی اس تھیلے کو اور خوشی سے لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہونے لگے۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے اور جسم میں ایک سرد لہری دوڑ رہی تھی۔ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کیوں یہ بچے مجھ گنہگار کو فرشتہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ انہیں سوچوں میں غلطان تھا کہ ایک خاتون جوان کی ماں تھی دروازے پر آئی اور دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو کر روہانسی آواز میں یہ کہنے لگی۔ میرے بچے دو دن سے بھوکے تھے۔ غیرت گوارا نہیں کرتی کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔

میرے مرحوم شوہر بھی محنت مزدوری کرتے تھے مگر کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ رشتہ داروں نے ہاتھ کھینچ لئے ہیں اور محلے والے بھی مدد نہیں کرتے۔ مگر کبھی کبھی آپ جیسے نیک دل لوگ مدد کر دیتے ہیں۔ میں دو دن سے بچوں کو یہ کہہ کر بہلا رہی تھی کہ ایک فرشتہ آئے گا اور ہمارے لئے کھانا لے آئے گا۔ اسی لئے یہ آپ کو فرشتہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس عورت نے اللہ کے حضور شکرانے کے چند کلمات ادا کئے۔ مجھے ڈھیر ساری دعائیں دیں اور شکریہ ادا کیا۔ میں وہاں سے واپس ہو لیا۔ آنسو رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ زندگی میں کبھی خود کو اتنا پرسکون محسوس نہیں کیا جتنا آج کر رہا تھا۔ اور اندازہ لگایا کہ ایک بے بس انسان کی مدد کرنے سے جو روحانی سکون ملتا ہے وہ کسی اور کام میں نہیں۔ ہمارے اردگرد ایسے بہت سے غربا ہوتے ہیں جو مستحق ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ مگر مدد کرنے والے ہاتھوں کے منتظر ضرور رہتے ہیں۔ دو وقت کی روٹی ہی ان کا کل جہاں ہوا کرتی ہے۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنی چاہیے چاہے وہ ایک وقت کھانا ہی کیوں نہ ہو۔ گھر آیا تو ماں نے پوچھا۔ بیٹا اتنی رات کہاں چلے گئے تھے بنا بتائے؟۔ میں بے ساختہ بولا فرشتہ بنے گیا تھا۔

***

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی ماہانہ ادبی نشست

آج کی اس محفل میں پاکستان کی معروف شاعرہ تمثیلہ لطیف کے شعری مجموعہ ''اشک تمنا'' کی تقریب رونمائی اور مشاعرہ ہوا

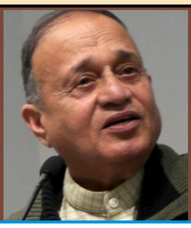

رپورٹ و فوٹو- امجد مرزا امجد

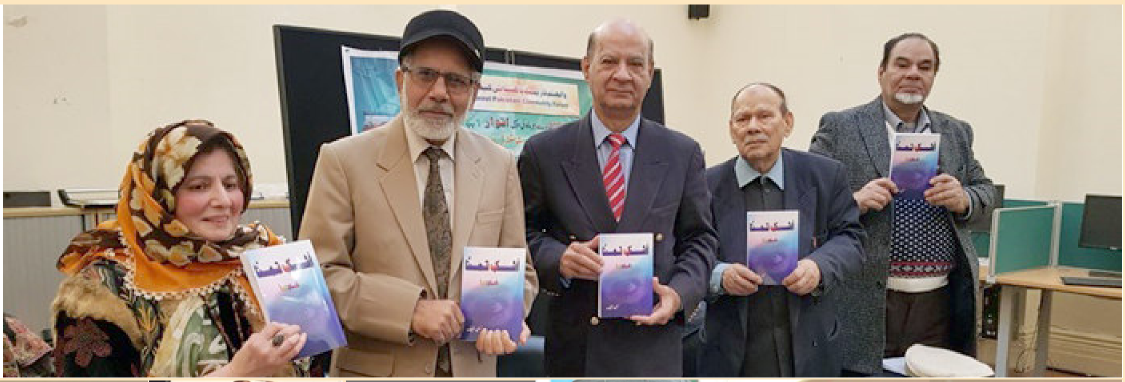

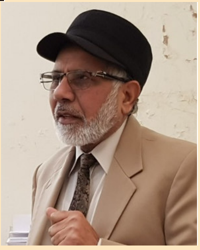

ہر ماہ کی پہلی اتوار کو ایک بجے والتھم سٹو کی سنٹرل لائبریری میں والتھم فاریسٹ کمیونٹی فورم لندن کی جانب سے عظیم الشان مشاعرہ اور ادبی محافل کا انعقاد ہوتا ہے۔ نئے سال کا پہلا پروگرام مورخہ 5 جنوری 2020 کو ہوا جس میں پاکستان راولپنڈی کی معروف شاعرہ محترمہ تمثیلہ لطیف کے شعری مجموعہ ''اشک تمنا'' کی تقریب رونمائی جس کو امجد مرزا نے ''سویرا اکیڈیمی لندن'' سے شائع کیا۔ تمثیلہ لطیف کا یہ تیسرا مجموعہ کلام ہے۔ اسٹیج پر تنظیم کے صدر ڈاکٹر شوکت نواز خان، آج کی ادبی محفل کی صدارت کے لئے ممتاز و معروف شاعر محمود علی محمود، مہمانان خصوصی محترمہ عابدہ شیخ، رانا عبدالرزاق اور چوہدری محبوب احمد محبوب جلوہ افروز تھے۔ نظامت کے فرائض امجد مرزا نے ادا کئے۔ پروگرام کی ابتدا اللہ پاک کے پاک کلام سے معروف ادیب قلمکار مورخ جناب قاضی عبدالروؤف صاحب نے کی جبکہ نعت کے پھول معروف گلوکار جناب شیخ محمد یوسف صاحب نے نچھار کئے۔ امجد مرزا نے صاحب کتاب محترمہ تمثیلہ لطیف اور ان کے کلام پر مضمون پڑھا اور ان کی ایک غزل اپنے ترنم میں سنا کر داد پائی۔ ان کے بعد محترمہ عابدہ شیخ صاحبہ نے تمثیلہ لطیف کا بھیجا ہوا مضمون پڑھا جس میں انہوں نے امجد مرزا کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ان کی کتاب کو لندن سے شائع کر کے ان کو راولپنڈی بھیجی اور لندن میں اتنے شان سے اس کی تقریب رونمائی بھی کی۔ انہوں نے عابدہ شیخ صاحبہ کی محبت اور دوستی کو بھی خوب سراہا اور تعریف کی۔ اس کے عابدہ شیخ صاحبہ نے کتاب اور شاعرہ کے بارے میں بڑی تفصیل و خوبصورتی سے اپنا تحریر کردہ مضمون پڑھا اور ان کے چنیدہ اشعار سنائے جس پر ہال میں بیٹھے تمام سامعین نے کھل کر داد دی۔ اس کے بعد باقاعدہ مشاعرے کا آغاز ہوا جس میں امجد مرزا امجد، محمد جہانگیر، شائق نصیر پوری، شاہین اختر شاہین، ڈاکٹر کاشف بھٹی، راجہ محمد الیاس، فیاض عادل فاروقی، شیخ محمد یوسف، عابدہ شیخ، ڈاکٹر رحیم اللہ شادؔ، چوہدری محبوب احمد محبوب، رانا عبدالرزاق، محمود علی محمود نے اپنا کلام پیش کر کے داد وصول کی آخر میں تنظیم کے صدر جناب ڈاکٹر شوکت نواز صاحب نے تمام مہمانوں کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔ تمام مہمانوں کی خاطر تواضع پروگرام کے اختتام تک گرم چائے کیک اور بسکٹوں سے کی گئی۔ انشاء اللہ اگلے ماہ فروری کی پہلی اتوار 2 فروری کو بھی ایک بجے اسی ہال میں کسی نہ کسی کتاب کی رسم اجرا کے بعد مشاعرہ ہو گا۔ دعوت عام ہے مزید تفصیل امجد مرزا صاحب تمام دوست احباب کو خوبصورت گرافک میں دعوت نامہ بھیج کر یاد دہانی کراتے ہیں۔

رنگ باتیں کرے- تحریر مبشرہ ناز

تن پہننا کون سا اوکھا ہے صاحب جی بچے تو جانور بھی پیدا کر لیتے ہیں۔
تن چھاتا بنے تو گل پھر بنتی ہے کج لے ڈھک لے سردی گرمی سے بچا۔ گھر کے دروازے پر کسی کے نام کی تختی لگی ہو اور اندر رہتا کوئی اور ہو یہ تو جی بیایمانی ہوئی ناجی۔۔۔! پھیکا کسی کے درد کی بکل مارے بیٹھا تھا۔ ایسے میں جب وہ بولتا تو لگتا جیسے لفظ سسک رہے ہوں، تھیٹر میں چلتا لوک داستان کا پلے مجمع پر سکتہ طاری کر دے۔ اس کے لفظوں نے لوک داستانوں سے زمانے چرا رکھے تھے۔ کیوں کیا ہوا پھیکے یار؟'' صاحب جی اپنا رانجھا ہے نا بہت دکھی رہتا ہے آج کل'' رانجھا لنگر خانے میں کام کرتا تھا۔ بہت نفیس طبیعت کا سلجھا ہوا جوان تھا۔ صاحب جی دونوں بھائیوں کی ایک ساتھ شادی ہوئی تھی دوسرے کی بیوی گوری چٹی ہے اور رانجھے کو دکھ یہ ہے کہ ماں نے بھائی کے لیئے تو گوری چٹی ابا کی بھانجی پسند کی اور میرے لیئے محلے کی استانی جی کی سانولی یتیم بیٹی۔ صاحب جی رانجھا تو طلاق دے کر گوری بھرجائی کی چھوٹی بہن سے نکاح کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔

کہتا ہے پھیکے چاچا جب بھی کوئی ملنے آتا ہے گوری چٹی بھرجائی کی تعریفیں کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات ضرور کرتا ہے کہ ''ہا ہا رانجھا کیا سوتیلا تھا جو اس کے لیئے کالی کلوٹی بیاہ لائی'' دیکھیں اماں نے اچھا تو نہیں نا کیا میرے ساتھ۔ میں پھیکے کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ رانجھے کے دل میں تو شاید بیوی کے لیئے جگہ بن جاتی مگر ارد گرد کے لوگوں کی سطحی باتیں اور جہالت اُس کی زندگی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ مبارک صاحب نے کیا خوب کہا تھا'' کئی اپنوں کی زہریلی زبانیں مار دیتی ہیں' چند ماہ کی دلہن شوہر کی بے اعتنائی جانے کیسے برداشت کرتی ہوگی؟ میرے دل میں اس بچی کا درد بھر آیا۔ اس سے پہلے کہ زبانوں کا زہر رگوں میں اُترے اور رشتوں کو نیلا کر دے میں نے رانجھے سے ملنے اور اسے سمجھانے کا فیصلہ کیا۔ پھیکے یار اب میں لنگر خانے آوں گا تو رانجھے سے بات کریں گے۔ پھر اللہ نے جلد ہی موقع بنا دیا شاید اس کی مرضی بھی یہی تھی اب میں اللہ کے اشارے سمجھنے لگا تھا۔ رانجھا بیمار تھا بہت دِنوں سے کام پر نہیں آ رہا تھا اس کا حال پوچھنے کے بہانے ہم اس کے گھر پہنچ گئے۔ رانجھا میٹرک پاس نفیس طبیعت کا مالک خوش اخلاق نوجوان تھا۔ ہمیں دیکھ کر کھل اٹھا اس کی طبیعت اب کافی بہتر لگ رہی تھی۔ چائے پیئے بغیر نہیں جانے دوں گا آپ کو، میں اور پھیکا تو پہلے ہی اس موقعے کی تلاش میں تھے فورا رضامند ہو گئے۔ دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ چھوٹے سے صاف ستھرے صحن میں پڑی چارپائی اس پر بچھی سفید چاندنی اور چارپائی کے سامنے پڑی میز پر رکھا کروشیئے کے غلاف سے ڈھانپا ہوا جگ اور گلاس۔ میز پر پڑا قلم دوات اور پروین شاکر کی ''خوشبو'' گھر کسی باذوق شخص کا معلوم پڑتا تھا۔ صحن کے ایک طرف کیاریاں بنا کر پھول لگائے گئے تھے جن میں لگے موتیئے کی خوشبو سارے صحن میں پھیلی تھی۔ منظر کچھ ایسا تھا کہ جو تھکے ہارے شخص کو تازہ دم کر دے۔ صحن میں بیٹھنے کی خواہش دل میں دباتے ہوئے ہم رانجھے کے ساتھ اندر بیٹھک میں چلے آئے ہمیں بیٹھنے کا کہہ کر وہ اپنی دلہن کو چا.. بنانے کا کہنے چلا گیا۔ بیٹھک نے مجھے مایوس نہیں کیا وہ بھی صحن ہی کی طرح انتہائی نفاست سے سجی تھی۔ ایک سادہ سا صوفہ گول میز اور اس پر سجے شمع دان۔ صوفے کے پیچھے پرانی کھڑکی کے پٹ لگا کر شیلف بنایا گیا تھا جن پر انتہائی خوبصورت نقش و نگار بنے تھے۔ اس پر گھنے بادلوں کی اوٹ سجھا نکتے سورج کی خوب صورت پینٹنگ رکھی تھی۔ جسے دیکھ کر مایوسی گھبرا سی جائے اور امید کھلکھلا اُٹھے۔ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ حیران کیا وہ تھی کھانے کی میز لکڑی کا انتہائی خوبصورت انٹیک دروازہ لے کر اس کے نیچے پائے لگا کر میز بنائی گئی تھی دروازہ دست کاری کا اعلیٰ نمونہ تھا اس پر سائز کے مطابق شیشہ کٹوا کر رکھا گیا تھا۔ میرے پوچھنے پر رانجھے نے بتایا کہ یہ اس کی دلہن نے بنوائی تھی۔ سانولی دلہن کی میز بے انتہا خوبصورت تھی۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد چائے آ گئی بیٹھک الائچی کی خوشبو سے بھر گئی۔ گھر کے بنے سموسے کیاری کے پودینے کی چٹنی اور سب سے بڑھ کر گاجر کا لذیذ حلوہ ٹکوزی سے ڈھانپی چینک۔ رانجھے کی سانولی دلہن کا تعارف مکمل ہو گیا۔ سانولی بہت اجلی تھی۔ رانجھے کے ساتھ والا گھر اس کے بھائی کا تھا۔ وہ نوکری ڈھونڈ رہا تھا لنگر خانے میں بچوں کو پڑھانے کے لیئے استاد کی ضرورت تھی اللہ نے ہمیں گوری بہو کے تعارف کا موقع بھی فراہم کر دیا۔ ایک جیسے بنے دو گھروں میں بے انتہا تضاد تھا۔ صحن میں اُڑتے پتے ویرانی کے منظر کی عکاسی کر رہے تھے۔ بیٹھک کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ میز پر پڑی گرد کی تہہ گھر کی مالکن کے تعارف کے لیئے کافی تھی۔ پھیکے نے نظر بچا کر میز کی گرد رومال میں لپیٹی میں حیرت سے دیکھتا رہا جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا تھا۔ اگلے دن لنگر خانے میں رانجھے سے بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے ہم واپس چلے آئے۔ رات بھر میں اُس سے بات کرنے کے لیئے جملے ترتیب دیتا رہا۔ اگلے دن جب لنگر خانے میں اس

سے ملاقات ہوئی تو پھیکے نے رانجھے کو بہت پیار سے پاس بٹھایا گرد سے بھرا رومال اس کے سامنے کھا اور کہا پُتر یہ مٹی تمہاری گوری بھرجائی کے میز پر کئی دنوں سے پڑی تھی۔ تمہیں دکھانے کے لیئے اُٹھالایا ہوں شاید تمہیں کبھی نظر نہیں آئی۔ لوگوں کی باتوں نے تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ کم عقلا تیری اماں تیرے جیسے نفیس کے لیئے سلیقے والی دلہن لائی ہے کیوں ناشکری کرتا ہے۔ جھلیا رنگ گورا ہو یا سانولا بات تو گنوں کی ہے۔ عورت کا روپ تو گھرداری سے جھلکتا ہے۔ اماں بتایا کرتی تھیں میری دادی نے راستے میں پانی پینے کے لیئے میرے نانا کے گھر کی کنڈی کھٹکٹائی اماں برتن دھو رہی تھی اور میری نانی صحن میں پڑے تخت پوش پر نماز پڑھ رہی تھیں۔ مصلہّ اور مانجے ہوئے دیگچیوں کی چمک دیکھ کر میری دادی نے رشتہ مانگ لیا۔ جانتا ہے کیوں؟ کیوں کہ دین بھی تھا اور گھرداری کا سلیقہ بھی۔

ساری رات کے سوچ میرے جملے پھیکے کے رومال کی مٹی میں رُل گئے میں مُسکرادیا کمال تھا پھیکا بھی۔ میری غزل اس کے ایک مصرعے کے سامنے چت پڑی ہو جیسے، کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ رانجھے نے مٹی سے بھرا رومال پکڑا مسکرایا اور بولا کل آپ کے ساتھ بھائی کے گھر گیا تو پہلی بار مجھے بھائی کے گھر کی حالت دیکھ کر بہت شرمندگی ہوئی اور میری آنکھوں سے سارے پردے سرک گئے۔ رانجھے کی آنکھوں سے سانولی دلہن کی محبت چھلک رہی تھی۔ میں نے اور پھیکے نے دیکھا رات گھر جاتے ہوئے وہ گجرے خرید رہا تھا۔ ہم دونوں اطمینان سے مسکرادیئے۔ اگر خوشی بکتی ہوتی تو ہماری وہ مسکراہٹ لاکھوں میں بکتی۔۔۔!

***

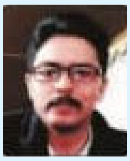

احمد افتخار

مرا وجود ہی جب خار و خس کے اندر تھا
میں اُس سمے بھی تری دسترس کے اندر تھا

مَیں دیکھتا تھا برابر عمل کا ردِعمل
دبی ہوئی تھی سڑک، شور بس کے اندر تھا

مجھے سمجھتے تھے کچھ خواب برگزیدہ شجر
ہوس پرست نہیں تھا، ہوس کے اندر تھا

میں کس طرح سے محبت کی بات کر پاتا
وہ خوش مزاج پرندہ قفس کے اندر تھا

پچاس سال مسافت ہی کاٹنا تھی مجھے
وگرنہ مرنا تو پہلے برس کے اندر تھا

یاروں یاروں کی لڑائی

رجل خوشاب

بغداد کے بازار میں ایک حلوائی صبح صبح اپنی دکان سجا رہا تھا کہ ایک فقیر آنکلا تو دکاندار نے کہا کہ بابا جی آؤ بیٹھو فقیر بیٹھ گیا تو حلوائی نے گرم گرم دودھ فقیر کو پیش کیا۔ فقیر نے دودھ پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس حلوائی کو کہا کہ بھائی تیرا شکریہ اور یہ کہہ کر فقیر چل پڑا۔ بازار میں ایک فاحشہ عورت اپنے دوست کے ساتھ سیڑھیوں پر بیٹھ کر موسم کا لطف لے رہی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی، بازار میں کیچڑ تھا، فقیر اپنی موج میں بازار سے گزر رہا تھا کہ فقیر کے چلنے سے ایک چھینٹا اڑا اور فاحشہ عورت کے لباس پر گر گیا۔

جب یہ منظر فاحشہ عورت کے دوست نے دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ وہ اٹھا اور فقیر کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا کہ فقیر بنے پھرتے ہو، چلنے پھرنے کی تمیز نہیں؟ فقیر نے ہنس کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا مالک تو بھی بڑا بے نیاز ہے، کہیں سے دودھ پلواتا ہے اور کہیں سے تھپڑ مرواتا ہے.. یہ کہہ کر فقیر آگے چل پڑا، فاحشہ عورت چھت پر چل رہی تھی تو اس کا پاؤں پھسلتا ہے اور زمین پر سر کے بل گر جاتی ہے، اس کو ایسی شدید چوٹ لگتی ہے کہ موقع پر ہی فوت ہو جاتی ہے۔ شور مچ گیا کہ فقیر نے آسمان کی طرف منہ کر کے بددعا دی تھی، جس کی وجہ سے یہ قیمتی جان چلی گئی۔ فقیر ابھی بازار کے دوسرے کونے تک نہیں پہنچ پائے تھے کہ لوگوں نے فقیر کو پکڑ لیا اور کہا کہ بڑے فقیر بنے پھرتے ہو، حوصلہ بھی نہیں رکھتے ہو فقیر نے کہا کہ کیا ہوا میاں؟ لوگوں نے کہا کہ تم نے بددعا دی اور عورت کی جان چلی گئی فقیر نے کہا کہ واللہ میں نے تو کوئی بددعا نہیں دی تو لوگوں نے ضد کی اور کہا کہ نہیں تیری بددعا کا کیا دھرا ہے۔

جب لوگوں نے ضد کی تو فقیر نے کہا کہ اصل بات پوچھتے ہو تو میں نے کوئی بددعا نہیں کی، یہ یاروں یاروں کی لڑائی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کیا؟ فقیر نے کہا کہ جب میں گزر رہا تھا اور میرے پاؤں سے چھینٹا اڑا اور اس عورت کے لباس پر پڑا تو اس کے یار کو غصہ آیا، اس نے مجھے مارا تو پھر میرے یار کو بھی غصہ آگیا۔

***

گاندھی کا ہندوستان/جناح کا پاکستان

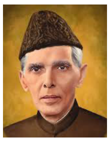

یاسر پیرزادہ ۲۹ دسمبر، 2019

"مستنصر حسین تارڑ"

جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا یہ تھا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہیں گے اور ایک ہندو اکثریتی معاشرے میں انہیں کبھی وہ حقوق حاصل نہیں ہوسکیں گے جو اُن کا حق ہیں، وہ کبھی اسلامی شعائر کے مطابق آزادی کے ساتھ اپنی زندگی نہیں گزار سکیں گے۔ انہیں ہمیشہ اکثریت کا محکوم بن کر رہنا پڑے گا، مسلمانوں کی اپنی تاریخ، روایات اور تشخص ہے جو ہندوؤں سے یکسر جدا ہے سو یہ ممکن نہیں کہ متحدہ ہندوستان میں ان کا علیحدہ تشخص برقرار رہ سکے۔ اِس نظریے کو 1939 کی کانگریسی وزارتوں کے دور میں تقویت ملی جب ہندو اکثریتی حکومت قائم ہوئی اور مسلمانوں کو اندازہ ہوا کہ اگر ٹریلر ایسا ہے تو پوری فلم میں کیا ہوگا، سن 40 میں پاکستان کی قرارداد منظور کر لی گئی، سن 46 کے انتخابات ایک طرح سے پاکستان کے حق میں ریفرنڈم ثابت ہوئے جب مسلم لیگ نے مسلمانوں کی نشستیں جیت لیں اور بالآخر سن 47 میں بٹوارہ ہوگیا۔ مسلم اکثریتی علاقے پاکستان میں آ گئے باقی ہندوستان میں رہ گئے۔ گاندھی جی اور جناح صاحب کا خیال تھا کہ صرف زمین پر لکیر کھنچے گی اور باقی جو جہاں ہے وہیں رہیں گے، اُنہیں یہ خوش گمانی تھی کہ پاکستان انڈیا کے تعلقات ایسے ہوں گے جیسے امریکہ اور کینیڈا کے۔ بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا، بٹوارے کے وقت فسادات پھوٹ پڑے جن میں لاکھوں افراد مارے گئے، قریباً ڈیڑھ کروڑ لوگوں کو راتوں رات اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی، لاہور لاہور نہ رہا، امرتسر امرتسر نہ رہا! آج حال یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت ایک دوسرے کے دشمن ہیں، ہمسایہ ہونے کے باوجود شہریوں کو بہت مشکل سے ویزا جاری کرتے ہیں، کوئی شریف آدمی واہگہ سے اپنی گاڑی پر سرحد پار کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، آئے دن سرحدی جھڑپیں ہوتی ہیں اور ہر دو چار ماہ بعد تعلقات اس نہج پر آ جاتے ہیں کہ لگتا ہے اب جنگ ہوئی کہ اب ہوئی۔ آزادی سے پہلے متحدہ ہندوستان کے لیڈران کا دعویٰ تھا کہ انڈیا ایک سیکولر ملک ہوگا جہاں مذہب کی بنیاد پر تعصب برتنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا، سن 46 میں جب انتخابات ہوئے تو اُس وقت مولانا ابوالکلام آزاد کانگریس کے صدر تھے، یہ ایک قسم کا سیکولرازم کا ثبوت تھا۔ ادھر جناح صاحب نے بھی اقلیتوں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان میں مذہب کی بنیاد پر تفریق نہیں برتی جائے گی، ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق مندر، مسجد، گرجے، جہاں چاہے جا سکتا ہے، پاکستان ایک پارلیمانی جمہوریہ ہوگا جہاں انصاف اور مساوات کے اصولوں پر آئین تشکیل دیا جائے گا۔ آج آزادی کے بہتّر برسوں بعد صورتحال یہ ہے کہ بھارت پاکستان میں یہ آدرش زمین بوس ہو چکے ہیں، بھارت میں آر ایس ایس کے غنڈے سرِ عام مسلمانوں کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک کرتے ہیں اور طعنے دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا علیحدہ ملک بنا لیا اب وہاں جاؤ بھارت میں کیا کر رہے ہو! اِدھر پاکستان کے حالات بھی دگرگوں ہیں، اعلیٰ عہدوں پر براجمان افراد اپنی تقاریر میں اقلیتوں کے مذہب کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اُن کی تضحیک کرتے ہیں۔ قائداعظم نے جب 11 اگست 1947 کی تقریر کی تھی تو اُس وقت آئین ساز اسمبلی میں بیشمار غیر مسلم تھے اور جوگندر ناتھ منڈل اسپیکر تھے، مگر یہی جوگندر ناتھ منڈل بعد میں انڈیا چلے گئے اور جاتے ہوئے ایک خط لکھ گئے جو اقلیتوں کے تحفظ کے حوالہ سے پاکستان پر ایک قسم کی چارج شیٹ ہے۔ یہ ساری مہا بھارت لکھنے کی ضرورت اِس لیے پیش آئی کہ چار دن پہلے قائداعظم کا جنم دن تھا، ہم نے جوش وخروش سے یہ دن منایا اور قائد کا شکریہ ادا کیا جن کی بدولت آج ہم بی جے پی کے چنگل سے آزاد ہیں جبکہ ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائی بہن آج اکثریت کا وہی جبر سہنے پر مجبور ہیں جس کی بنیاد پر ہندوستان تقسیم ہوا تھا مگر کیا یہ تشکر کافی ہے؟ بیشک آج کا ہندوستان نہرو اور گاندھی کا ہندوستان نہیں ہے مگر کیا آج کا پاکستان جناح کا پاکستان ہے؟ انڈیا میں مسلمانوں کا تحفظ فقط سیکولرازم سے ممکن ہے تو کیا یہی تحفظ ہمیں اپنی اقلیتوں کو نہیں دینا چاہئے جس کا وعدہ قائداعظم نے کیا تھا؟ قائداعظم کی تقاریر ایسے بیانات سے بھری پڑی ہیں جن میں انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان ایک جمہوری ملک ہوگا جہاں ایک دستوری حکومت ہوگی، پارلیمانی نظام ہوگا، آئین کی حاکمیت ہوگی، مسلح افواج اپنے حلف کی پابند ہوں گی، اظہارِ رائے کی آزادی ہوگی، ہر شخص کو رنگ، نسل، مذہب سے ماورا ہو کر برابری کے حقوق ملیں گے اور اقلیتوں کا تحفظ ہوگا، یعنی قائد کے وژن کے مطابق آج پاکستان کو ناروے یا سویڈن کی طرح کی فلاحی مملکت ہونا چاہئے تھا جہاں فرد کو ہر قسم کی شخصی اور مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اقلیتوں کو کوئی خوف نہیں، سوچ کی آزادی ہے اور معاشرہ انصاف کے اصولوں پر کھڑا ہے۔ جن لوگوں کو قائد کے اِس وژن پر کوئی شبہ ہو وہ صرف دو کام کر لیں، ایک، قائد کا لائف اسٹائل دیکھ لیں،

قائداعظم سوٹ پہنتے تھے، سگار پیتے تھے، انہوں نے کتے پال رکھے تھے، اپنی بمبئی کی رہائش گاہ انہوں نے یورپئین طرز پر تعمیر کروائی تھی، انگریزی میں بات کرتے تھے، انگریزی میں لکھ کر تقریر کرتے تھے، سرتا پا مغربی اور سیکولر لائف اسٹائل تھا۔اُن کی ہمشیرہ فاطمہ جناح شٹل کاک برقع تو کیا سرے سے برقع ہی نہیں پہنتی تھیں ہاں دوپٹہ ضرور اوڑھتی تھیں۔ دوسرا، یہ دیکھ لیں کہ قائداعظم کی زندگی میں پاکستان کس قسم کا تھا، جہاں تک میں نے پڑھا ہے اُس وقت کا پاکستان آج کے پاکستان کے مقابلے میں کہیں زیادہ ماڈرن اور آزاد خیال تھا۔لاہور اور کراچی میں نائٹ کلب تھے جہاں ڈانس کی محفلیں ہوتی تھیں، جناح صاحب نے کوئی مہ خانہ بند کیا نہ کسی نائٹ کلب پر تالا ڈلوایا، تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیں یہ ’نیک‘ کام پاکستان بننے کے تیس برس بعد ہوا۔بحث یہ نہیں کہ آج نائٹ کلب کھول دیئے جائیں۔

سوال صرف یہ ہے کہ گاندھی کا ہندوستان تو سیکولر نہیں رہا تو کیا جناح کا پاکستان وہ رہا جس کا تصور جناح نے دیا تھا؟ میں اس وقت پندرہ سولہ برس کا تھا اور پہلی مرتبہ ولایت جا رہا تھا۔ جہاز میں میری برابر کی نشست پر ایک مولانا براجمان تھے وہ خاصے معصوم سے تھے۔میں نے دریافت کیا، کیوں چچا جان آپ کس سلسلے میں انگلستان جا رہے ھیں؟؟ تو کہنے لگے بیٹا میں کافروں کو مسلمان کرنے جا رہا ھوں میں نے پوچھا، آپ کو انگریزی آتی ہے؟ کہنے لگی’’نہیں آتی‘‘، جس کو مسلمان ہونا ہوگا اُسے خودبخود میری زبان سمجھ آجائے گی ہم کراچی سے تہران، قاہرہ، ایتھنز رُکتے روم پہنچے ایئرلائن کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مسافر حضرات ایئرپورٹ کے ریستوران میں اپنی مرضی کا کھانا تناول فرمائیں۔بل کمپنی کے ذمہ ہوگا۔ریستوران میں بیٹھے تو میں نے ایک چکن روسٹ کا آرڈر دیا۔آپ کیا کھائیں گے؟ میں نے اپنے ہم سفر چچا جان سے پوچھا تو انہوں نے کہا، ’’اُس گوری لڑکی سے کہو کہ میرے لیے اُبلی ہوئی سبزیاں لے آئے کیونکہ گوشت تو یہاں حلال نہیں ہوگا‘‘ میں نے بھی بُھوک کی وجہ سے اِس طرف دھیان نہیں دیا تھا بہرحال خُوشبودار مُرغ کے گرد انڈے اور آلو کے قتلے اور سلاد وغیرہ بہار دِکھا رہے تھے جب کہ گوری لڑکی نے ایک پلیٹ مولانا کے آگے رکھ دی جس میں ایک اُبلی گاجر اور دو ابلے آلو پڑے تھے سفری چچا جان نے گاجر کھانے کی کوشش کی مگر میرے روسٹ سے ان کی نظریں نہ ہٹتیں تھیں۔ بالآخر انہوں نے گرجدار آواز میں کہا، برخودار! اس گوری ہوٹل والی زنانی سے کہو میرے لیے بھی یہی مُرغ لے آئے یہ شکل سے حلال لگ رہا ہے۔

***

واقعی بیٹیوں کی تربیت ایسی ہی کرنی چاہیے

ثمان جٹ

شادی کے تین سال کے بعد ساسُو ماں نے بہو سے پوچھا بہو مجھے ایک بات تو بتا میں تجھے اتنی خراب اور کھری کھری باتیں سناتی ہوں اور تو پلٹ کر جواب بھی نہیں دیتی اور غصہ بھی نہیں کرتی بس ہنستی رہتی ہے۔ بہو کو تو جیسے سنانے کو کہانی مل گئی۔ کہنے لگی اماں جی آپ کو ایک بات سناتی ہوں میں جب چھوٹی تھی مجھے ہمیشہ ایسا لگتا تھا کہ میری ماں میری سگی ماں نہیں کیوں کے وہ میرے سے گھر کے سارے کام کرواتی تھی اور کوئی کام غلط ہو جاتا تو مجھے ڈانٹ بھی پڑتی اور کبھی کبھی مار بھی دیتی تھی لیکن ماں تھی وہ میری، اور ان سے ڈر بھی لگتا تھا تو کبھی غصہ نہیں کیا میں نے ان سے۔ یہاں تک کہ میں کالج سے تھک کر واپس آتی تو آتے ہی کچھ دیر آرام کے بعد مجھے کام کرنے ہوتے تھے پھر جب میری بھابیاں آئیں تب تو جیسے میرے کام زیادہ ہی بڑھ گئے، ہوتا تو ایسے ہے نا کہ بہو آئی تو ساری ذمہ داریاں اس پر ڈال دی میری امی نے پھر بھی میرے سے کام کروایا اور کبھی بھی بھابیوں کو نہیں ڈانٹا بلکہ ان کے کام بھی مجھے کہتی تھیں کے کر دو خیر ہے پھر کیا ہوتا ہے ان کا ایک جملہ ہمیشہ مجھے یاد رہتا ہے۔ وہ کہتی تھی خیر ہے اگلے گھر جا کر تجھے مشکل نہیں ہوگی اور میں اِس جملے سے چڑ گئی تھی۔

جب میری شادی تھی تو دو دن پہلے مجھے امی نے پیار سے اپنے پاس بیٹھایا اور بولی بیٹا آج تک سمجھ میں تیری ساس تھی، میں نے تجھے پریکٹس کروا دی ہے، تجھے بتا دیا ہے کے ساس کیسی ہوتی ہے، اب سے میں تیری ماں ہوں اب تیری شادی ہو رہی ہے تو بیٹا جب تمھاری ساس تمہیں کچھ کہے تو سمجھنا میں کہتی تھی، جیسے ویسے ہی تیری ماں تجھے ڈانٹ رہی ہے، بس یہ ہی بات تھی مجھے آپ کی باتیں بری نہیں لگتی، کیوں کے مجھے پریکٹس کروا کے بھیجا ہے میری امی نے اور اماں جی آپ نے تو کبھی اتنا ڈانٹا ہی نہیں جتنا امی ڈانٹتی تھیں توبہ توبہ بہو ہنستی ہوئی کچن میں چلی گئی اور ساس سوچتی رہی کہ کیا واقعی بیٹیوں کی تربیت ایسی کرنی چاہیے۔

(تخیلاتی کہانیاز قلم ثمان جٹ پنجاب پولیس نارووال)

سمیع اللہ ملک - علاجِ جرم

شمالی کوریا کے شہر سن شی آن کے عین وسط میں ایک سٹیڈیم کے وسطی دروازے سے پچیس پولیس اہلکار ایک خستہ حال بوڑھے کو بازوؤں سے گھسیٹ کر لا رہے تھے، بوڑھے کی ایڑیوں سے ایک لمبی لکیر بنتی جا رہی تھی۔ پولیس اہلکاروں نے بوڑھے کو سٹیڈیم کے درمیان ایک عارضی سٹیج پر بنے پھانسی گھاٹ پر سہارا دیکر کھڑا کر کے اس کا رُخ تماشائیوں کی طرف کر دیا۔ سٹیڈیم میں پن ڈراپ خاموشی میں ڈیڑھ لاکھ لوگ دم سادھ کر بیٹھے تھے۔ بوڑھے کی داڑھی اُلجھی اور بال پریشان تھے، اس کی آنکھوں میں گہری اُداسی اور چہرے پر دکھ تھا، پولیس اہلکاروں کے جتھے میں سے ایک سینئر افسر آگے بڑھا، اس نے جیب سے کاغذ نکالا، بوڑھے کے جرائم با آواز بلند پڑھے اور اس کے بعد اعلان کیا۔ معزز عدالت کے حکم پر 75 سالہ مسٹر... کو سرِ عام پھانسی دے رہے ہیں۔ اس نے کاغذ تہہ کیا، جیب میں ڈالا، سٹیج سے اُترا اور اہلکاروں کو کاروائی مکمل کرنے کا اشارہ دے دیا، پولیس اہلکاروں نے نیم مردہ بوڑھے کے گلے میں رسہ باندھ دیا، سٹیڈیم میں سیٹی کی آواز گونجی، اہلکار نے لیور کھینچا، بوڑھا رسے پر تڑپا اور ایک منٹ بارہ سیکنڈ بعد ٹھنڈا ہو گیا، پھانسی کا عمل جوں ہی مکمل ہوا، سٹیڈیم میں بھگدڑ مچ گئی، لوگ خوف کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے، پولیس نے بھگدڑ پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن ہجوم 6 لوگوں کو کچل کر شہر کی گلیوں میں گم ہو گیا، اس بھگدڑ میں 34 افراد شدید زخمی ہو گئے۔ یہ بوڑھا کون تھا اور اس نے کس جرم میں یہ سنگین سزا پائی تھی، یہ انتہائی دلچسپ کہانی تھی، یہ 75 سال کا ایک فیکٹری منیجر تھا حکومتی اداروں کو اس پر بدعنوانی کا شک گزرا، ان اداروں نے اس کی نگرانی شروع کرا دی، وہ رنگے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، مقدمہ عدالت میں پہنچا، عدالت نے ثبوتوں کا تجزیہ کیا اور ملزم کو برسرِ عام پھانسی کا حکم دے دیا، عدالت کے اس حکم کی 15 اکتوبر کو پیروی ہو گئی۔

اس 75 سالہ بوڑھے فیکٹری منیجر پر کرپشن کے چار سنگین الزامات تھے، اول فیکٹری منیجر نے فیکٹری میں چند ہزار روپے کی غیر قانونی سرمایہ کاری کی تھی، دوم اس نے اپنے نااہل بچوں کو فیکٹری کے انتظامی عہدوں پر بھرتی کرایا تھا، سوم اس نے پوشیدہ ٹیلی فون لگوا رکھا تھا اور اس فون سے چند لوکل اور بین الاقوامی کالز ہوئی تھیں اور چہارم فیکٹری منیجر نے کمیونسٹ پارٹی کے بعض عہدیداروں کو تحائف دیئے تھے، بوڑھے کے یہ چاروں جرائم ثابت ہو گئے تھے چنانچہ حکومت نے تحائف لینے والے تمام عہدیداروں کو معطل کر کے جیل بھیج دیا جبکہ بوڑھے کو سٹیڈیم میں ڈیڑھ لاکھ شہریوں کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا، بوڑھے فیکٹری منیجر کی نعش دو دن تک سٹیڈیم میں لٹکتی رہی۔

طوائف اور ان کے عاشق!

کل رات کو مشہور طوائف اور بعض سیاست دانوں کے لیے استراحت کا سامان مہیا کرنے والی حریم شاہ نے وفاقی وزیر کے ساتھ ویڈیو چیٹ کی گفتگو اپلوڈ کر دی۔ جس میں شیخ رشید اور صندل خٹک کی بے ہودہ حرکات شامل ہیں.. حریم شاہ اب تقریباً ہر دن نت نئی ویڈیو کے ساتھ اپنے ناظرین کو مائل کرنے اور فحاشی کو بازار سے پارلیمنٹ تک لے جانے کے لئے ٹویٹر اور فیس بک پر حاضری دیتی ہے...

سرکاری عمارات میں خود کو نچوانے والی اب دو قدم آگے بڑھ کر ہمارے مستقبل کے فیصلے کرنے والے معزز اشخاص کے ساتھ فحش گفتگو کرتی نظر آتی ہے اور بڑی دلیری کے ساتھ خود پر طوائف کا مہر ثبت کرتی ہوئی ویڈیو تک اپ لوڈ کر دیتی ہے.. بڑے عہدوں پر فائز اشخاص تک ان کو پہنچانے کے لئے اب کسی دلال کی ضرورت ان کو نہیں پڑتی۔ بس آڈیو ویڈیو کال پر معاملہ سیٹ ہو کر بات ڈن کی جاتی ہے.. اور انتہائی افسوس کے ساتھ ہمارے بڑے جن کو ہم نے پاکستان کا مستقبل سنوارنے کے لیے ووٹ دیئے ہیں ان کو طوائفوں سے فرصت ہی نہیں ملتی... کیا قوم کے یہ حکمراں عوامی خدمت کو اس قدر نمٹا چکے ہیں کہ اب ان کا کام محض طوائف کو سرکاری دفاتر میں بلانے اور ان کو باہر ممالک کا سیر و تفریح کرانے کے علاوہ ان کے ساتھ ویڈیو چیٹ میں فحش گفتگو کرنے کا رہ گیا ہے... عمران خان صاحب! آپ کے وزیر قوم کے معمار خود عشق و معاشق کے سٹیج پر خود کو برہنہ کر رہے ہیں.. صلاح الدین... ایوبی... کے وارثین بھلا اس قدر امت کے درد و کرب چیخ و پکار سے غافل ہیں کہ ایک طرف ہمارے مظلوم بھائی گولیوں سے چھلنی ہو رہے ہیں اور دوسری طرف وزیروں کو طوائفوں سے فرصت ہی نہیں مل رہی... ایک حریم شاہ کے لیے پوری ریاست کے حکمرانوں کو چھوٹ دی ہوئی ہے کہ آپ

حریم شاہ اوران جیسے طوائفوں کو بلاتے رہیں پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا ہے کا نام داغ دار کرتے رہے...ایک حریم شاہ اور صندل خٹک جیسی طوائفیں حکمرانوں کے بستر گرم کر رہی ہیں اور پھر اس کے عزت کو اور پاکستان کی عزت کو پامال کرتی ہے اور حکام اس انتظار میں ہے کہ کب ہمارا نمبر آئے گا...تف ہے۔ہم پر اوران حکام پر جن کو ہم نے ووٹ دے کر اپنے مستقبل کے فیصلے کرانے کے لیے منتخب کیا ہے...بھائیوں اور دوستوں! ہم نے یوں پاکستان کو ان طوائفوں کا کھیل بننے نہیں دینا کہ قومی خزانے پر طوائفیں بیرون ممالک کے سیر وتفریح کرتے رہیں..یہ ملک ہمارا ہے اور اس کی حفاظت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔طوائفوں اوران کے عاشقوں سے اس ملک کو بچانے کا فریضہ ہم ہی نے انجام دینا ہے..اس کے لیے آپ سب ساتھی تیار رہیں...

انشاءاللہ... (شاہد خان)

دو ہزار انیس کا اختتام-۲۰۱۹-ہمارا روّیہ

ایک سعودی لڑکی پاکستان وزٹ پر آتی ہے وہ لاہور اسلام آباد مری اور پنجاب کے کئی علاقوں میں گھومتی پھرتی ہے یہاں کے کلچر کی تعریف کرتی ہے، موسم کے احوال بتاتی ہے زرعی زمین کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے مری کی بلند و بالا پہاڑیوں سے ویڈیو ولاگ بنا کر دنیا کو دکھاتی ہے کہ پاکستان آؤ یہاں کے حالات اچھے ہیں یہاں کا موسم بہترین ہے یہاں کے لوگ عمدہ اخلاق کے حامل ہیں یہاں زندگی کے مختلف رنگ ہیں لیکن جب وہ پاکستان سے واپس جاتی ہے تو اسلام آباد ائرپورٹ پر ایک لیڈی سیکورٹی اہلکار اس کا قیمتی بیگ سیکیورٹی کے نام پر چھین لیتی ہے وہ ائرپورٹ پر سے آنسو واپس لے کر جاتی ہے۔یہ ہے۔ہماری اخلاقیات یہ ہے ہماری ائرپورٹ سیکیورٹی فورس،انگلش میسج دیکھئے رغدا لکھتی ہے کہ کوئی بھی شخص جب پاکستان وزٹ پر آئے تو قیمتی یا خوبصورت بیگ/سوٹ کیس ساتھ لے کر نہ آئے ائرپورٹ پر موجودان جہلاء کا شکار صرف رغدا نہیں ہوئی بلکہ باہر جانے والا تقریباً ہر مسافر ہوتا ہے ہر قسم کی مشینری اور جدید ٹیکنالوجی کے باوجود بھی بلاضرورت سیکورٹی اہلکاروں کی موجودگی ویسے ہی ہمارے امن پر سوالیہ نشان پیدا کر دیتی ہے۔بہرحال 2019ء گزر گیا نیا سال مبارک ہو اسی پرانی قوم اور ہماری پرانی عادات کے ساتھ ہمارا قومی وقار ان واقعات سے خطرے میں نہیں پڑتا۔

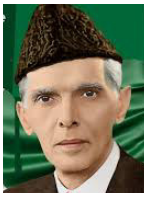

قائداعظم محمد علی جناح کے
یوم ولادت پر شفیق مراد کا پیغام

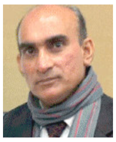

آج قائدِ اعظم محمد علی جناح کی سالگرہ پاکستان کے مختلف صوبوں میں قومی عقیدت واحترام کے ساتھ منائی جا رہی ہے۔شریف اکیڈمی جرمنی کے کرّہ ارض پر پھیلے ہوئے تمام ڈائریکٹر اور ممبران کے لیے یہ باعثِ فخر ہے کہ شریف اکیڈمی جرمنی کے ڈائریکٹرز اور ممبران اپنی مٹی، اپنی قوم، اپنی زبان اور اپنی تہذیب وثقافت سے مضبوط اور مستحکم تعلق رکھتے ہیں۔اور یہ بھی باعثِ مسرت ہے پاکستان کے قومی تہواروں کے موقع پر منعقد ہونے والے پروگراموں میں جوش وخروش اور جذبہء حب الوطنی کے ساتھ اس میں شامل ہو کر اس بات کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں کہ ہم ایک زندہ قوم ہیں ہمارے جذبے صادق ہیں۔بانیِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔وہ دور اندیش، معاملہ فہم اور ذہین وفطین انسان تھے۔انکی اولولعزمی ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے۔انہوں نے اپنے مقصد کو پانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو استعمال کیا،انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے مقصد کے لیے وقف کر رکھا تھا۔اور بظاہر ایک ناممکن کام کو ممکن بنا دیا۔ہمیں آج ایک طرف تو قائداعظم کے اوصاف بیان کر کے انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کی ضرورت ہے تو دوسری جانب ہمیں انکی جہدِ مسلسل اور ان کے عزم کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ہمیں بھی یہ عزم کرنا ہوگا کہ ہم اپنے ملک کے گوشے گوشے میں علم کی شمع جلائیں گے اور اپنے ملک کو علم کی روشنی سے منور کریں گے۔ہماری چھوٹی چھوٹی کاوشیں ایک روز ہمارے ملک کی حالت کو سنوار دیں گی اور پھر ہم فخر کے کہ سکیں گے کہ ہم نے اپنے قائدِ اعظم کی محنت اور احسان کا کچھ بدلہ دے دیا۔قوموں کی ترقی علم کی روشنی کے بغیر ممکن نہیں اور علم کے حصول میں پہلا اور بنیادی کردار ماں ادا کرتی ہے۔لہٰذا خواتین کو بالخصوص اپنے آپ کو معاشرے کا ایک اہم جز و یقین کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے جو گھر سے شروع ہوتا ہے۔معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی یونٹ گھر ہوتا ہے یہاں سے معاشرے کی بنیادیں اٹھتی ہیں۔گھر ہی بچے کا پہلا مدرسہ اور اولین تربیت گاہ ہے۔لہذا سب سے پہلے اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دینی چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ قوم کے ان بچوں کی طرف توجہ کی ضرورت ہے جو اپنی مجبوریوں کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں جو کردار ایک ماں ادا کر سکتی ہے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔لہٰذا ایک دردمند دل کے ساتھ اپنے گھر اپنے معاشرے اور اپنے ملک میں علم کی روشنی پھیلانے کا تہیہ کریں۔

(شفیق مراد-چیف ایگزیکٹو شریف اکیڈمی جرمنی)

مخبر تاریخ

(ادارہ)

مسلم حکمران اور پروپیگنڈا چند سال سے اس ملک کے ٹیلیویژن چینلز پر تعلیم کے نام پرسفید جھوٹ پر مبنی پروگرام چلائے جارہے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش ہے کہ جب یورپ میں یونیورسٹیاں کھل رہی تھیں تو مسلم بادشاہ تاج محل اور شالا مار باغ بنارہے تھے۔میری یہ تحریر مختلف مصنفین کے متعلقہ کالمز اور پروفیسرز،مورخین یا محققین کی تحقیق کے اس حصہ پر مبنی ہے جو میں نے ذاتی تحقیق کے بعد درست پائے۔اس تحریر میں میرے اپنے الفاظ کم اور مندرجہ بالا شخصیات کے الفاظ زیادہ ہیں۔تاریخ کی گواہی بعد میں پیش کروں گا پہلے بنیادی عقل کا ایک درس پیش کروں۔ان چینلز یا پروگرامز میں اگر کوئی سمجھ بوجھ والا آدمی بیٹھا ہوتا تو اس کو سمجھنے میں یہ مشکل نہیں آتی کہ مسلم دور کی شاندار عمارات جس عظیم تخلیقی صلاحیت سے تعمیر کی گئیں،وہ دو چیزوں کے بغیر ممکن نہ تھیں۔پہلی فن تعمیر کی تفصیلی مہارت،جس میں جیومیٹری،فزکس،کیمسٹری اور ڈھانچے کے خدوخال وضع کرنے تک کے علوم شامل ہوتے ہیں۔دوسری کسی ملک کی مضبوط معاشی اور اقتصادی حالت اس قدر مضبوط کہ وہاں کے حکمران شاندار عمارات تعمیر کرنے کا خرچ برداشت کرسکیں۔معاشی حوالے سے ہندوستان بالعموم مسلم ادوار اور بالخصوص مغلیہ دور(اکبر-عالمگیر)میں دنیا کے کل GDP میں اوسطاً25٪ فیصد حصہ رکھتا تھا۔درآمدات انتہائی کم اور برآمدات انتہائی زیادہ تھیں اور آج ماہر معاشیات جانتے ہیں کہ کامیاب ملک وہ ہے جس کی برآمدات زیادہ اور درآمدات کم ہوں۔سترویں صدی میں فرانسیسی سیاح فرانکیوس برنیر ہندوستان آیا اور کہتا ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں سونے اور چاندی کے ڈھیر ہیں۔اسی لئے سلطنت مغلیہ ہند کو سونے کی چڑیا کہتے تھے۔اب تعمیرات والے اعتراض کی طرف آتے ہیں۔فن تعمیر کی جو تفصیلات تاج محل،شیش محل،شالامار باغ،مقبرہ ہمایوں،دیوان خاص وغیرہ وغیرہ میں نظر آتی ہے،اس سے لگتا ہے کہ انکے معمار جیومیٹری کے علم کی انتہاؤں کو پہنچے ہوئے تھے۔تاج محل کے چاروں مینار صرف آدھا انچ باہر کی جانب جھکائے گئے تاکہ زلزلے کی صورت میں گرے تو گنبد تباہ نہ ہوں۔مستری کے اینٹیں لگانے سے یہ سب ممکن نہیں،اس میں حساب کی باریکیاں شامل ہیں۔پورا تاج محل 90 فٹ گہری بنیادوں پر کھڑا ہے۔اس کے نیچے 30 فٹ ریت ڈالی گئی کہ اگر زلزلہ آئے تو پوری عمارت ریت میں گھوم سی جائے اور محفوظ رہے لیکن اس سے بھی حیرانی کی بات یہ ہے کہ اتنا بڑا شاہکار دریا کے کنارے تعمیر کیا گیا ہے اور دریا کنارے اتنی بڑی تعمیر اپنے آپ میں ایک چیلنج تھی،جس کے لئے پہلی بار ویل فاؤنڈیشن (well foundation) متعارف کرائی گئی یعنی دریا سے بھی نیچے بنیادیں کھود کر انکو پتھروں اور مصالحہ سے بھر دیا گیا،اور یہ بنیادیں سینکڑوں کی تعداد میں بنائی گئی گویا تاج محل کے نیچے پتھروں کا پہاڑ اور گہری بنیادوں کا وسیع جال ہے۔اسطرح تاج محل کو دریا کے نقصانات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا گیا۔عمارت کے اندر داخل ہوتے ہوئے اسکا نظارہ فریب نظر یعنی (Optical illusion) سے بھرپور ہے۔یہ عمارت بیک وقت اسلامی،فارسی،عثمانی،ترکی اور ہندی فن تعمیر کا نمونہ ہے۔یہ فیصلہ کرنے کے لئے حساب اور جیومیٹری کی باریک تفصیل درکار ہے۔پروفیسر ایبا کوچ (یونیورسٹی آف وینیا) نے حال میں ہی تاج محل کے اسلامی اعتبار سے روحانی پہلو واضح (decode) کئے ہیں۔اور بھی کئی راز مستقبل میں سامنے آسکتے ہیں۔انگریز نے تعمیرات میں (well foundation) کا آغاز انیسویں صدی اور (optical illusions) کا آغاز بیسویں صدی میں کیا۔جب کہ تاج محل ان طریقہ تعمیر کو استعمال کر کے سترھویں صدی کے وسط میں مکمل ہوگیا تھا۔آج تاج محل کو جدید مشینری اور جدید سائنس کو استعمال کرتے ہوئے بنایا جائے تو 1000 ملین ڈالر لگنے کے باوجود ویسا بنانا تقریباً ناممکن ہے۔ٹائل موزیک فن ہے،جس میں چھوٹی چھوٹی رنگین ٹائلوں سے دیوار پر تصویریں بنائی جاتی اور دیوار کو منقش کیا جاتا ہے۔یہ فن لاہور کے شاہی قلعے کی ایک کلومیٹر لمبی منقش دیوار اور مسجد وزیر خان میں نظر آتا ہے۔ان میں جو رنگ استعمال ہوئے،انکو بنانے کے لئے آپ کو موجودہ دور میں پڑھائی جانے والی کیمسٹری کا وسیع علم ہونا چاہیئے۔یہی حال فریسکو پینٹنگ کا ہے،جن کے رنگ چار سو سال گزرنے کے باوجود آج تک مدہم نہیں ہوئے۔تمام مغل ادوار میں تعمیر شدہ عمارتوں میں ٹیرا کوٹا (مٹی کو پکانے کا فن) سے بنے زیر زمین پائپ ملتے ہیں۔ان سے سیوریج اور پانی کی ترسیل کا کام لیا جاتا تھا۔کئی صدیاں گزرنے کے باوجود یہ اپنی اصل حالت میں موجود ہیں۔مسلم فن تعمیر کا مکمل علم حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور موجودہ دور کے سائنسی پیمانوں پر ایک نصاب کی صورت تشکیل دیا جائے تو صرف ایک فن تعمیر کو مکمل طور پر سیکھنے کے لیے پی ایچ ڈی (phd) کی کئی ڈگریاں درکار ہوں گی۔کیا یہ سب کچھ اس ہندوستان میں

ہوسکتا تھا، جس میں جہالت کا دوردورہ ہو اور جس کے حکمرانوں کو علم سے نفرت ہو؟ یہ مسلم نظام تعلیم ہی تھا جو سب کے لئے یکساں تھا، جہاں سے بیک وقت عالم، صوفی، معیشت دان، طبیب، فلسفی، حکمران اور انجینئر نکلتے تھے۔ شیخ احمد سرہندی رح ہوں یا جھانگیر ہو یا استاد احمد لاہوری ہو، یہ سب مختلف گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک ہی تعلیمی نظام میں پروان چڑھے، اسی لئے ان سب کی سوچ انسانی مفاد کے لئے تھی۔ مزید بھی میں مغربی مصنفین کی گواہی پیش کروں گا، اسلئے کہ میرے ان ''عظیم'' صاحبان علم کو کسی مسلمان یا لوکل مصنف کی گواہی سے بھی بو آتی ہے۔ ول ڈیورانٹ مغربی دنیا کس مشہورترین مورخ اور فلاسفر ہے۔ وہ اپنی کتاب story of civilization میں مغل ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے۔ ہر گاوں میں ایک سکول ماسٹر ہوتا تھا، جسے حکومت تنخواہ دیتی تھی۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے صرف بنگال میں 80 ہزار سکول تھے۔ ہر 400 افراد پر ایک سکول ہوتا تھا۔ ان سکولوں میں 6 مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ گرائمر، آرٹس اینڈ کرافٹس، طب، فلسفہ، منطق اور متعلقہ مذہبی تعلیمات۔ اس نے اپنی ایک اور کتاب A Case For India میں لکھا کہ مغلوں کے زمانے میں صرف مدراس کے علاقے میں ایک لاکھ 25 ہزار ایسے ادارے تھے، جہاں طبی علم پڑھایا جاتا اور طبی سہولیات میسر تھیں۔ میجر ایم ڈی باسو نے برطانوی راج اور اس سے قبل کے ہندوستان پر بہت سی کتب لکھیں۔ وہ میکس مولر کے حوالے سے لکھتا ہے۔ بنگال میں انگریزوں کے آنے سے قبل وہاں 80 ہزار مدرسے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر رح کے زمانے میں ایک سیاح ہندوستان آیا۔ جس کا نام الیگزینڈر ہملٹن تھا۔ اس نے لکھا کہ صرف ٹھٹھ شہر میں علوم وفنون سیکھانے کے 400 کالج تھے۔ میجر باسو نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہندوستان کے عام آدمی کی تعلیم یعنی فلسفہ، منطق اور سائنس کا علم انگلستان کے رئیسوں حتیٰ کہ بادشاہ اور ملکہ سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔ جیمز گرانٹ کی رپورٹ یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔ اس نے لکھا تعلیمی اداروں کے نام جائیدادیں وقف کرنے کا رواج دنیا بھر میں سب سے پہلے مسلمانوں نے شروع کیا۔

1857ء میں جب انگریز ہندوستان پر مکمل قابض ہوئے تو اس وقت صرف روجیل کھنڈ کے چھوٹے سے ضلع میں، 5000 اساتذہ سرکاری خزانے سے تنخواہیں لیتے تھے۔ مذکورہ تمام علاقے دہلی یا آگرہ جیسے بڑے شہروں سے دور مضافات میں واقع تھے۔ انگریز اور ہندو مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم کا عروج عالمگیر رح کے زمانے میں اپنی انتہا کو پہنچا۔ عالمگیر رح نے ہی پہلی دفعہ تمام مذاہب کے مقدس مذہبی مقامات کے ساتھ جائیدادیں وقف کیں۔ سرکاری جانب سے وہاں کام کرنے والوں کے لئے وظیفے مقرر کئے۔ اس دور کے 3 ہندو مورخین سجان رائے کھتری، بھیم سین اور ایشور داس بہت معروف ہیں۔ سجان رائے کھتری نے خلاصہ التواریخ، بھیم سین نے نسخہ دلکشا اور ایشورداس نے فتوحات عالمگیری لکھی۔ یہ تینوں ہندو مصنفین متفق تھے کہ عالمگیر نے پہلی دفعہ ہندوستان میں طب کی تعلیم پر ایک مکمل نصاب بنوایا اور طب اکبر، مفرح القلوب، تعریف الامراض، مجربات اکبری اور طب نبوی جیسی کتابیں ترتیب دے کر کالجوں میں لگوائیں تاکہ اعلیٰ سطح پر صحت کی تعلیم دی جاسکے۔

یہ تمام کتب آج کے دور کے MBBS نصاب کے ہم پلہ ہیں اورنگزیب سے کئی سو سال پہلے فیروز شاہ نے دلی میں ہسپتال قائم کیا، جسے دارالشفاء کہا جاتا تھا۔ عالمگیر نے ہی کالجوں میں پڑھانے کے لیے نصابی کتب طب فیروزشاہی مرتب کرائی۔ اس کے دور میں صرف دلی میں سو سے زیادہ ہسپتال تھے۔ تاریخ سے ایسی ہزاروں گواہیاں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہوسکے تو لاہور کے انارکلی مقبرہ میں موجود ہر ضلع کی مردم شماری رپورٹ ملاحظہ فرمالیں۔ آپکو ہر ضلع میں شرح خواندگی 80 فیصدی سے زیادہ ملے گی جو اپنے وقت میں بین الاقوامی سطح پر سب سے زیادہ تھی، لیکن انگریز جب یہ ملک چھوڑ کر گیا تو صرف 10 فیصدی تھی۔ بنگال 1757ء میں 7 یا اور اگلے 34 برسوں میں سبھی سکول و کالج کھنڈر بنا دیئے گئے۔ ایڈمنڈ بروک نے یہ بات واضح کہی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلسل دولت لوٹی جس وجہ سے ہندوستان بدقسمتی کی گہرائی میں جا گرا۔ پھر اس ملک کو تباہ کرنے کے لئے لارڈ کارنیوالس نے 1781ء میں پہلا دینی مدرسہ کھولا۔ اس سے پہلے دینی اور دنیاوی تعلیم کی کوئی تقسیم نہ تھی۔ ایک ہی مدرسہ میں قرآن بھی پڑھایا جاتا تھا، فلسفہ بھی اور سائنس بھی یہ تاریخ کی گواہیاں ہیں لیکن اشتہار و پروگرام بنانے والے جھوٹ کا کاروبار کرنا چاہیں تو انہیں یہ باطل اور مرعوب نظام نہیں روکتا۔ مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہوا ہے اور ان تعمیرات کا مشاہدہ کیا ہے، آپ یقین کیجیے کہ ان عمارات کے سحر سے نکلنا ایک مشکل کام ہوتا تھا اور فخر اور حیرانی ہوتی تھی کہ ان ادوار میں مشین کا وجود نہ ہونے کے باوجود ایسے شاہکار تعمیر کرنا ناممکن لگتا ہے۔ لاہور میں مغلیہ فن تعمیر پر کبھی نظر دوڑایئے۔ آپ انجینئرنگ کے کارناموں پر محو حیرت رہ جائیں گے کیونکہ جب یورپ یونیورسٹیاں بنا رہا تھا تو یہاں وہ تعلیمات عام ہو چکی تھیں۔ لیکن یہ موجودہ ظالم نظام جہاں ہمیں اپنی اعانت کے لئے اپنا کلرک بناتا ہے وہاں ہماری عظیم تاریخ کو بھی مبہم بناتا ہے۔ تحریر کا اختتام کرنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن ایک سنہری قول سے اختتام کروں گا۔ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ انہیں ذرائع ابلاغ (Media) کا پروپیگنڈا بہا کے لے گیا۔

(کاپی از پاسبان علم وادب)

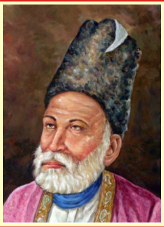

مظلوم غالب

طارق احمد مرزا
آسٹریلیا

ایک تو دنیا بھر کی مظلومیت پتہ نہیں علامہ اقبالؔ کے حصہ میں ہی کیوں ڈال دی گئی ہے، علمی ادبی اور سیاسی وقومی حوالہ سے ظلم کے بارہ میں جو کتاب دیکھو اقبالؔ پر لکھی نظر آئے گی۔ راقم کی نظر میں تو ”ہیں اور بھی دنیا میں مظلوم بہت اچھے“، اور ان میں سرفہرست یعنی سب سے زیادہ مظلوم اسداللہ خان غالبؔ ہیں۔

کوئی دن نہیں جاتا جب ستم گروں کی اس دنیا میں غالب کے پرزے نہیں اڑائے جاتے اور کوئی تماشہ بھی نہیں ہوتا۔ غالب پر ایک بڑا ظلم جو حال ہی میں ہوا وہ یہ ہے کہ پوری پاکستانی قوم (جن میں ”پاکستانی نژاد“ غیر ملکی پاکستانی بھی شامل ہیں) غالبؔ اور ان پر ڈھائے گئے مظالم کو بھلا کر کچھ ایسے فضول سے مسائل کو ایشو بنا کر انہیں الجھانے یا سلجھانے میں ایسی مصروف رہی (اور اب تک ہے) کہ دسمبر 2019 میں غالبؔ کا ایک سو پچاسواں یوم وفات آیا بھی اور گزر بھی گیا۔

غالبؔ کے ایک سو پچاویں یوم وفات پر بھارت اور پاکستان کے نام نہاد ”غالب شناسوں“ نے دونوں ملکوں کے مابین کوئی ”غالبؔ کاریڈور“ کھولنے کا بھی مطالبہ نہ کیا، غالباً انہیں ڈر تھا کہ مزعومہ پاکستانی بریلوی ریاست مدینہ کے ”انصار“ دس بارہ کروڑ بھارتی مسلمان ”مہاجرین“ کے ساتھ ”مواخات“ قائم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کریں گے۔ پاکستانی حکومت کے عمائدین ایک بھارتی پولیس کمشنر کے اس قسم کے مبینہ بیان پر تشویش کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ یہی باتیں ہیں جن کی بنا پر مدینہ سے باہر کسی مزعومہ ریاستِ مدینہ کی ”ر“ بھی اب تک نہیں بنائی جاسکی۔ کیونکہ ریاست مدینہ کی ابتدا تو مہاجرین کی آبادکاری اور مواخات سے ہوئی تھی۔

آمدم برسر مطلب، جو واقعہ اس تحریر کے معرضِ وجود میں آنے کا سب سے بڑا محرک بنا وہ یہ تھا کہ ایک ٹی وی چینل پر پاکستان کے ایک وفاقی وزیر کا، جنھوں نے اللہ کو جان دینی ہے، ایک انتہائی بھونڈے انداز سے اور بے تکے وقت پر ایک شعر پڑھنا تھا۔ شعر کی ٹانگیں توڑنے کے ساتھ ساتھ بڑا ستم یہ کیا کہ اس شعر کو غالبؔ سے منسوب کر دیا۔ موصوف نے اس پر ہی بس نہیں کی، ستم بالائے ستم، ثم بالائے ستم یہ بھی کیا کہ غالب کو اپنا ”چچا“ قرار دے دیا۔ جہاں تک راقم کی معلومات کا تعلق ہے غالبؔ نے عدالت میں خود کو ”آدھا مسلمان“ تو ضرور تسلیم کیا لیکن اپنی وفات تک کسی عدالت تو کیا ماورائے عدالت بھی اپنے آفریدی پٹھان ہونے کا اعتراف نہیں کیا، نہ ہی اس کا امکان ظاہر کیا۔ آپ شہہ کے مصاحب تو ضرور تھے اور اس پر اترایا بھی کرتے تھے لیکن شہہ کے کسی مصاحب کے چچا نہیں تھے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر غالب شہہ کے کسی مصاحب کے چچا نہیں، تو ماموں تو ضرور تھے لیکن یہ بھی تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ زین العابدین خان عارفؔ، جنہیں غالبؔ نے اپنے سات بچوں کی بے وقت وفات کے بعد اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، اور ذاتی سفارش کروا کر شہہ کا مصاحب بھی بنوایا تھا، وہ آپ کے نہیں بلکہ آپ کی اہلیہ محترمہ کے بھانجے یا بھتیجے تھے۔

بہرحال ان گنہگار کانوں، اور کانوں سے زیادہ گنہگار آنکھوں، نے موصوف وزیر صاحب کے ہاتھوں دن دیہاڑے غالب پر یہ ”لائیو سٹریم“ ظلم ہوتا دیکھا تو قریب تھا کہ اس جسمِ ناتواں کی متعدد شریانیں بلند ہوتے فشارِ خون سے پھٹ پڑتیں لیکن بھلا ہوا کہ یاد آ گیا کہ وزیر موصوف نے اللہ کو جان دینی ہے!۔

اور پھر یہ بھی یاد آیا کہ قصور غالبؔ کے اس ”بھتیجے“ کا نہیں، سوشل میڈیا، فیس بک وغیرہ پر غالب کے کتنے ہی خودساختہ بھتیجوں اور بھتیجیوں نے بھی یہی ایک شعر (علاوہ اور کئی جعلی شعروں کے) غالبؔ سے منسوب کر کے عام کیا ہوا ہے کہ۔

عمر بھر غالبؔ یہی غلطی کرتا رہا
دھول چہرے پہ تھی اور وہ آئینہ دھوتا رہا

شعر ویسے ہی بے وزن اور بے بحر ہے، اوپر سے وزیر صاحب موصوف (جنھوں نے پورا شعر تو نہیں محض اس کا مصرعہ ثانی پڑھا) ”آئینہ دھوتا رہا“ کی بجائے بار بار ”آئینہ ملتا رہا“ کہتے رہے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کا ایک سیاسی شکار ایک ناقابل ضمانت کیس میں ضمانت پر رہا ہو گیا اور

وزیر صاحب ہاتھ ملتے رہ گئے ہیں۔اب انہیں اپنے دامن پہ لگے اس بڑے داغ کو مل مل کر دھونا ابھی باقی ہے۔

یہی نہیں ،انٹرنیٹ پہ موجود بعض پورے پورے مضامین بھی غالب سے منسوب اس شعر کی تشریح اور تفسیر پہ مشتمل اس تمہید کے ساتھ شائع شدہ مل جائیں گے کہ غالب نفسیات کی باریکیوں پہ نظر رکھتے تھے،اصلاح معاشرہ چاہتے تھے،جیسا کہ انہوں نے اس شعر میں فرمایا ہے۔۔۔۔وغیرہ!۔

قارئین کرام اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب نفسیات کی باریکیوں پہ نظر رکھتے تھے،اصلاح معاشرہ چاہتے تھے۔۔۔۔وغیرہ!۔لیکن صد معذرت کہ مذکورہ شعر غالبؔ کا ہے ہی نہیں !۔

اس قسم کے مضمون نگار عموماً ''توجہ دلاؤ نوٹس'' پر جلد ناراض بھی ہو جاتے ہیں اسلئے انہیں پڑھ کر ہم ہنس دیئے ہم چپ رہے۔حالانکہ غالب پر روا رکھا جانے والا یہ اپنی نوعیت کا ایک نیا ظلم ہے۔اس سے قبل غالب کے اپنے اور''اصلی''اشعار کی ایسی ایسی تشریحات اور توضیحات پیش کی جاتی تھیں ،جن کا علم شاید غالب کو بھی نہیں تھا،یہ تو پھر بھی قابل قبول ہوسکتا ہے لیکن غالب کی طرف ایک ایسا شعر منسوب کر کے جو ان کا تھا ہی نہیں،اس کی تشریحات کر کر کے غالب کی تعریف وتوصیف بیان کرنا،اس کو بھلا کیا نام دیں ہم!۔

اس شعر کے بارہ میں راقم نے اپنی بساط کے مطابق تحقیق کی تو غالبؔ کے نہ تو کسی مروجہ دیوان میں یہ شعر دستیاب ہو سکا اور نہ ہی انکے کسی غیر متداول مجموعہ کلام میں سے برآمد ہوا۔اگر قارئین میں سے کسی کو اس شعر کی ''غالب سند'' کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں،شاید راقم ہی غلطی خوردہ ہو۔اس مفہوم کا حامل البتہ ایک باوزن اور بابحر(اور بامعنی)شعر ایک صاحب کی اوپن فیس بک پر ہمیں دستیاب ہوا جو مندرجہ ذیل ہے:

کس سلیقے سے متاعِ ہوش ہم کھوتے رہے
گرد چہرے پر جمی تھی آئینہ دھوتے رہے

فیس بک پر یہ شعر اثرؔ فیض آبادی صاحب نامی ایک شاعر سے منسوب کیا گیا ہے جن کے بارہ میں مزید کوئی تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں کہ وہ کون ہیں،ہیں بھی یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا وہ بھی کہیں اس شعر کے حوالہ سے غالب کی طرح مظلوم تو نہیں؟۔اس کے بارہ میں بھی قندیل ادب کے توسط سے قارئین سے رہنمائی کی درخواست ہے۔

قارئین کرام مظلوم غالبؔ پر اس قسم کے ظلم ڈھانے کی روایت کوئی آج کی بات نہیں۔یہ کام ان کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔یار لوگوں نے ان کی ہی زمین میں ان جیسا ہی کلام کہہ کر(جو بہرحال ایک زرخیز دماغ رکھنے والا ہی کرسکتا ہے)ان کے نام سے شائع کرنا یا پھیلانا شروع کردیا تھا،بلکہ بعض من چلے تو ایسا شعر بنا کر ان کے منہ پر کہتے کہ واہ واہ جناب نے یہ شعر کیا خوب کہا ہے کہ۔۔۔!،اور غالب سے خوب ڈانٹ کھاتے۔

غالب کو اس ساری بکواس کا بخوبی علم تھا،چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان طبع کروایا تو اس کے دیباچہ میں لکھا کہ اس کلام سے باہر کوئی شعر مجھ سے منسوب نہ کیا جاوے۔کتاب''باقیات غالب''میں وجاہت علی سندیلوی نے لکھا ہے کہ غالب کی زندگی میں منشی شیونرائن نے ایک مرتبہ ایک پوری غزل جو غالب سے منسوب کی گئی تھی،ان کے نام سے شائع کردی تو غالب نے ان کو لکھا:

''بھائی حاشا ثم حاشا!اگر یہ غزل میری ہو تو مجھ پر ہزار لعنت!۔اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے۔

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی
میرے شیر شاباش ،رحمت خدا کی

میں نے یہی اس سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو تو مجھ پر لعنت!۔''

(باقیاتِ غالب۔مصنف وجاہت علی سندیلوی۔مطبوعہ دسمبر 1960۔نسیم بک ڈپو لکھنؤ۔صفحہ 28)۔

مصنف مزید لکھتے ہیں کہ علائی کے ایک خط میں غلط انتساب کو'مسخ کلام' بتاتے ہوئے ایک غزل کے متعلق لکھا:۔

''اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر۔۔۔غزل بنالی ہے۔مقطع اور ایک شعر میرا،اور پانچ شعر کسی اُلّو کے۔

جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کردیں تو کیا بعید ہے کہ شاعر متوفی کے کلام میں مطربوں نے کیا خلط کردیا ہو؟''۔(ایضاً)۔

غالب سے بڑھ کر غالب کا وفادار اور کون ہوسکتا ہے،لہٰذہ مزید کسی تبصرہ کے بغیر یہیں پہ تحریر موقوف کی جاتی ہے۔اگر کسی کی دلآزاری ہوئی ہو تو معاف کردیا جائے۔

***

مشاعرہ::- بزم ترویج علم وادب

رپورٹ: عاصی صحرائی

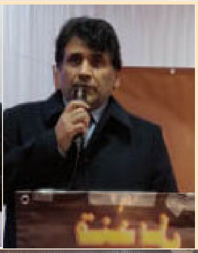

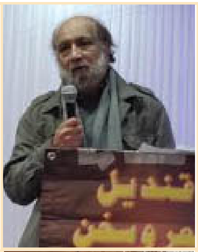

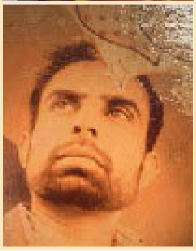

مورخہ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۹ کی شام ''بزم ترویج علم وادب'' کے زیر اہتمام ایک شام جرمنی سے آئے ہوئے شاعر وادیب جناب اسحاق ساجد کے ساتھ منائی گئی۔ بزم ترویج علم وادب ہمارے محترم نعمان احمد صاحب نے تشکیل دی ہے۔ جو علم وادب کی نئی بستیاں آباد کرنے کے مصمم ارادے رکھتے ہیں۔ شروع میں ہی خاکسار نے نعمان صاحب کو تعاون کا بھرپور یقین دلایا تھا۔ اور حتی الوسع کوشش بھی کی کہ یہ پہلا پروگرام کامیاب ہو۔ اور اُن کی مزید ہمت بندھے۔ ماشاءاللہ پروگرام بہت ہی اچھا رہا۔ انتظامات، کے لحاظ سے اور کھانے کے لحاظ سے بھی بہت معیاری رہا۔ لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ پروگرام ذرا تاخیر سے شروع ہوا۔ برمنگھم سے آئے ہوئے ہمارے ڈاکٹر منور احمد کنڈے شاعر اور ادیب صدر مجلس اور جرمن سے آئے ہوئے شاعر اور ادیب اسحاق ساجد لندن سے جمیل الرحمن مہمان خصوصی تھے۔ نظامت ہماری کچھ ماٹھی رہی۔ کیونکہ نعمان صاحب کو ایسی محافل کا پہلا تجربہ تھا۔ امید ہے۔ آئندہ وہ اس بات کا خیال رکھیں گے۔ تلاوت ہمارے محترم ڈاکٹر مجیب الحق خان نے کی۔ نعتیہ کلام محمد اسحاق عاجز نے پیش کیا۔ شعرا میں ساجد محمود رانا، واحد اللہ بیگ، اعزاز بٹ، احسان اللہ قمر، شائق نصیر پوری، عاصی صحرائی نے کلام پیش کیا۔ پھر جمیل الرحمن نے اپنی سنجیدہ شاعری کا جادو جگایا۔ جرمنی سے آئے ہوئے اسحاق ساجد نے اپنی غزلیں اور گیت سنائے جو کہ سامعین نے بڑی دلچسپی سے سنے۔ آخر پر منور احمد کنڈے کی باری تھی۔ آپ نے بہت ہی شستہ کلام سنایا۔ اور پھر جگنی سنائی جو کہ منفی سے مثبت پہلو لئے ہوئے تھی۔ خواتین کے لئے پردے کا بھی انتظام تھا۔ حاضری پچپن رہی۔ کھانا بہت اچھا اور لذیذ تھا پندرہ خواتین اور چالیس مرد حضرت نے شمولیت کی۔ مشاعرہ بہت اچھا رہا۔ اُردو ادب کی ترویج کے لئے ایسے مشاعرے گاہے گاہے ہوتے رہنے چاہیئں۔ تاکہ ہم اپنی قومی زبان کو ترقی دیتے رہیں۔ ***

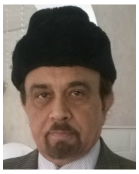

عمران خان، ہم اور دنیا

منور احمد کنڈے

بشریٰ ہر دم کرے دعائیں تسبیح میں بھی پھیروں
سوچ میں ہے شیطان کہ میں عمران کو کیسے گھیروں
وعدے پورے کروں میں لوگو ٹھونک بجا کر چھاتی
جب سے میں آیا ہوں دیکھی کس نے بجلی جاتی
میرے ساتھ ہے پیرنی میری جس سے بیعت ہوں میں
اور نشانی معجز والی کونسی جگ کو دوں میں
پاکستان اب نیا نویلا ہم تخلیق کریں گے
جنگ مسلط ہوگی تو ہم گھر گھر جنگ لڑیں گے
ہم نے جاب بھی ایک کروڑ ہیں لوگوں کو دلوانے
گھر بھی ہم نے ایک لاکھ ہیں اک ماہ میں بنوانے
نیب کے آگے مثلِ ماضی چلتے نہیں بہانے
بات کو میری جھوٹی سمجھیں سب پاگل دیوانے
ہاتھوں میں کشکول ہے خالی شاہ جی اس کو بھر دیں
دیں گے ہم تعویز عوض میں دور کریں گے دردیں
اک گنڈے کی مار ہے یو ایس بات ہے یہ روحانی
ہم نے فارس اور عرب کی چھپیاں ہیں ڈلوانی
سنو منور غور سے میں نے جھوٹ نہیں ہے بولا

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Call:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU

ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

SHARIF JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم / سیاسی پناہ اور امیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- نیشنلٹی اور سفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ویزا میں تبدیلی
- اوورسٹیئرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائبیونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE